

پاک و پند کی چند اسلامی تحکیمیں

اور

علمائے حق

— از —

خلیل اشرف صاحب اعظمی قادری
علامہ مدنی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتساب

اسلام کے اُن جگہ گاتے ستاروں
 کے نام جنہیں تعصب کے
 اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

وَعَلَىٰ آلِكَ وَاصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

فہرست مضامین

۵۲۸

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۶۱۶	نتائج	۵۸۸	کاروائی
۶۱۷	جنگ حریت - حیرت انگیز باتیں	۵۹۰	کنبہ کے لوگ
۶۲۰	مولانا مہسر کی تادیل	۵۹۲	مہاجرین ہیں
۶۲۲	میاں محمد کی سنئے	۵۹۲	میں کی ہٹ دھرمی
۶۲۳	لفظ سرکار کے معنی	۵۹۳	میں کہیں
۶۲۴	جواب چاہئے۔	۵۹۳	مندی کی منطق
۶۲۴	مالیخویا کے مریض	۵۹۵	مہاجر کی وضاحت
۶۲۴	زلزلہ	۵۹۷	مہاجر کی فرمائشیں
۶۲۶	جماعت دیوبند ہر سہرا اپنے سر سبائی آرزو	۵۹۸	مہاجر گوشت
۶۲۶	مند ہے	۵۹۹	مہاجر کا پہلا دور
۶۳۱	تحریک خلافت دور خزاں	۶۰۱	مہاجر علی کی لاہور میں آمد
۶۳۲	کچھ آنجنیں - کچھ کمیشیاں	۶۰۲	مہاجر کی دعوتیں اور پٹنہ کو روانگی
۶۳۲	سلم بیگ کا قیام	۶۰۳	مہاجر کا الہام اور چھوٹے حضرت کی تادیل
۶۳۳	تحریک خلافت اور چند دوسری تحریکیں	۶۰۴	مہاجر سندھی اور شیخ اکرام کی گواہی
۶۳۴	تحریک خلافت کا تاریخی پس منظر	۶۰۶	مہاجر ہات کا بل دیا غستان
۶۳۵	تحریک خلافت اور اس کا رد عمل	۶۰۷	مہاجر کا بیت المال
۶۳۷	قائد اعظم کی مایوسی	۶۰۷	مہاجر اللہ اور پہاڑوں کی بیٹیاں
۶۳۸	گاندھی کا حکم	۶۰۸	مہاجر اور اندوہناک انکشاف
۶۳۹	گاندھی جی کی قیادت اور اس کا صلہ	۶۰۹	مہاجر ہٹکنڈے
۶۴۰	دیوانگی کی انتہا	۶۱۱	مہاجر کے دوست
۶۴۲	سیدنا امام احمد رضا	۶۱۲	مہاجر کی فہرست پیشکش
۶۴۳	مہاجر مائیں	۶۱۳	مہاجر کی اپنے عروج پر
۵۲۲	ابن عبد الوہاب اور برطانوی جاسوس ہیمفری	۵۲۵	بہاد اور بہادی
۵۲۵	بہاد اور بہادی	۵۲۶	تضادات
۵۲۶	تضادات	۵۲۷	پروپیگنڈے کی خوفناک کہانی محمد علی قصوری
۵۲۷	پروپیگنڈے کی خوفناک کہانی محمد علی قصوری	۵۲۷	کی زبانی۔
۵۲۷	کی زبانی۔	۵۲۸	دلچسپ باتیں۔
۵۲۸	دلچسپ باتیں۔	۵۲۹	مولوی محمد اسماعیل کا عزم خونریزی
۵۲۹	مولوی محمد اسماعیل کا عزم خونریزی	۵۳۱	دہلیوں کی کہانی کنبیالال کی زبانی
۵۳۱	دہلیوں کی کہانی کنبیالال کی زبانی	۵۳۲	گودوں کی سرپرستی
۵۳۲	گودوں کی سرپرستی	۵۳۵	انگریز یا سکھ
۵۳۵	انگریز یا سکھ	۵۳۸	اعتراض کا جواب تلوار ہے
۵۳۸	اعتراض کا جواب تلوار ہے	۵۵۰	شیخ اکرام کی گواہی
۵۵۰	شیخ اکرام کی گواہی	۵۵۲	ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں
۵۵۲	ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں	۵۵۳	حیرت انگیز انکشاف
۵۵۳	حیرت انگیز انکشاف	۵۵۵	عقائد و نظریات کی اہمیت
۵۵۵	عقائد و نظریات کی اہمیت	۵۵۵	اختلاف کا پہلا بیج
۵۵۵	اختلاف کا پہلا بیج	۵۵۶	بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف
۵۵۶	بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف	۵۵۶	جواب فتویٰ
۵۵۶	جواب فتویٰ	۵۵۷	منظرہ بازی
۵۵۷	منظرہ بازی		

۵۲۹

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۱۳	جہاں نثاران اسلام	۷۰۳	ہندوستانی کا ہونداک انکشاف	۶۴۴	توحی شخص کی پامالی
۷۱۴	کردار کی ایک اور جھلک	۷۰۴	ہندوستان میں مسلمانوں کی مکمل شکست	۶۴۶	تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد
۷۱۵	مسئلہ ذبیحہ گاؤں	۷۰۵	ہندوستان کا مستقبل	۶۴۷	احوال و واقعات
۷۱۵	رہنمایان قوم کے بیانات	۷۰۶	ہندو قوم کا ارشاد	۶۴۸	حقائق و حواہد
۷۱۶	برادریان وطن کا نظریہ	۷۰۷	ہندو مسلم اتحاد کے خوفناک بچے	۶۵۱	ہلاکت خیز تحریک
۷۱۸	سیدنا امام احمد رضا اور مسئلہ ذبیحہ گاؤں	۷۰۸	ہندو قوم کاؤ، شرمی، شنگھٹن	۶۵۱	محمد علی جناح اور محمد علی جوہر کی جھڑپ
۷۱۹	مسئلہ اہلسنت اور اہل بیت سے محبت	۷۰۹	ہندو قوم کی طویل داستان	۶۵۲	جھڑپ کی مزید تفصیلات
۷۱۹	نوار تبلیغ ترمی زن	۷۱۰	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۳	مولانا مدنی کا غلو
۷۲۰	بے پناہ جرأت کا مظاہرہ	۷۱۱	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۵	علامہ اقبال اور ترک موالات
۷۲۲	مرشدی صدر الشریعہ	۷۱۲	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۵	کھد پوشی کی ایک اور کہانی
۷۲۵	حسرت آخر		ہندو قوم کی تحریک	۶۵۷	گاندھی جی کی درگت
			ہندو قوم کی تحریک	۶۵۸	مشائخ عظام، علمائے کرام
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۰	دریادوں کے دل جس دہل جائیں وہ طوفان
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۲	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۳	ایک سپاہی کی ضرب
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۵	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۶	دید و شنید
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۷	موالات ہر کافر سے حرام ہے
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۸	معاملت کا جواز
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۹	نہ آغاز بہترینہ انجام اچھا
			ہندو قوم کی تحریک	۶۷۰	موالات و معاملات
			ہندو قوم کی تحریک		مولانا ظفر علی برہم ہو گئے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۱۳	جہاں نثاران اسلام	۷۰۳	ہندوستانی کا ہونداک انکشاف	۶۴۴	توحی شخص کی پامالی
۷۱۴	کردار کی ایک اور جھلک	۷۰۴	ہندوستان میں مسلمانوں کی مکمل شکست	۶۴۶	تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد
۷۱۵	مسئلہ ذبیحہ گاؤں	۷۰۵	ہندوستان کا مستقبل	۶۴۷	احوال و واقعات
۷۱۵	رہنمایان قوم کے بیانات	۷۰۶	ہندو قوم کا ارشاد	۶۴۸	حقائق و حواہد
۷۱۶	برادریان وطن کا نظریہ	۷۰۷	ہندو مسلم اتحاد کے خوفناک بچے	۶۵۱	ہلاکت خیز تحریک
۷۱۸	سیدنا امام احمد رضا اور مسئلہ ذبیحہ گاؤں	۷۰۸	ہندو قوم کاؤ، شرمی، شنگھٹن	۶۵۱	محمد علی جناح اور محمد علی جوہر کی جھڑپ
۷۱۹	مسئلہ اہلسنت اور اہل بیت سے محبت	۷۰۹	ہندو قوم کی طویل داستان	۶۵۲	جھڑپ کی مزید تفصیلات
۷۱۹	نوار تبلیغ ترمی زن	۷۱۰	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۳	مولانا مدنی کا غلو
۷۲۰	بے پناہ جرأت کا مظاہرہ	۷۱۱	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۵	علامہ اقبال اور ترک موالات
۷۲۲	مرشدی صدر الشریعہ	۷۱۲	ہندو قوم کی تحریک	۶۵۵	کھد پوشی کی ایک اور کہانی
۷۲۵	حسرت آخر		ہندو قوم کی تحریک	۶۵۷	گاندھی جی کی درگت
			ہندو قوم کی تحریک	۶۵۸	مشائخ عظام، علمائے کرام
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۰	دریادوں کے دل جس دہل جائیں وہ طوفان
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۲	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۳	ایک سپاہی کی ضرب
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۵	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۶	دید و شنید
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۷	موالات ہر کافر سے حرام ہے
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۸	معاملت کا جواز
			ہندو قوم کی تحریک	۶۶۹	نہ آغاز بہترینہ انجام اچھا
			ہندو قوم کی تحریک	۶۷۰	موالات و معاملات
			ہندو قوم کی تحریک		مولانا ظفر علی برہم ہو گئے

کتاب سے پہلے کتاب اللہ کا مطالعہ کیجئے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

غور سے سنتے

فَيُثَرِّعُ عِبَادَ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَ
أُورَاقِكِ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْأَوَّلُونَ

پ ۲۳ سورہ الزمر آیت نمبر ۱۲، ۱۳

خوشخبری دوسرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر سب
میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور یہی عمل
والے ہیں۔

۱۰۰۰ کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

اگر چہ اپنے ہی ہوں

لَا يَخْذُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

پ ۲۸ سورہ المجادلہ آیت نمبر ۲۲

تم دباؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کدوستی کریں ان سے
منہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے
یا بھائی یا کنبہ والے ہوں۔

ممنوع ہے

لَا آيُنَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
إِلَيْهِمُ بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ

پ ۲۸ سورہ الممتحنہ آیت ۱

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبریں پہنچاتے
ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔

کافروں کے دوست خدا کے دوست نہیں

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

فَعَلَّ ذَلِكَ فَيَكُنْ مِنَ الْكَافِرِينَ (پ ۲ سورہ آل عمران آیت نمبر ۲۸)

کافروں سے دوستی

تَدْرِي كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ
وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا
أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ۝

پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۸۰، ۸۱

تم ان میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں بیشک
کیا ہی بڑی چیز ہے جو خود انہوں نے اپنے لئے تیار کی یہ کہ ان پر اللہ کا عذاب اتر
امددہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اور اگر انہیں اللہ و نبی و قرآن پر ایمان آتا

مسلمان کافروں کو دوست نہ بنالیں مسلمان کے سوا۔ اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ اور اس کے رسول سے کچھ تعلق نہ رہا۔

ظالموں کی طرف مائل بھی نہ ہو

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ النَّاسُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ

پ ۱۲ سورہ ہود آیت نمبر ۱۳

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں (دوزخ) آگ چھو لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں پھر مدد پاؤ گے۔

کافروں اور بد مذہبوں کو راز دار نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْتُونُكُمْ خَبَرًا لَدُنْكُمْ أَمَّا عِنْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَى صُدُورُهُمْ أَلَمْ تَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ

پ ۴ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۸

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار مت بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں درگزر نہیں کرتے ان کی آرزو ہے کہ تمہیں ایذا پہنچے۔ عداوت و دشمنی ان کی باتوں سے جھٹک لیتی ہے اور وہ جو عینہ میں چھپاتے ہیں (اس سے بھی) بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر بتا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔

علماء کا فرض

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِذَا أَظْهَرَتِ الْفِتْنُ أَدَقَالَ الْبِدْعُ وَسَبَّ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَكُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ. لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.

جب فتنے یا فرمایا گمراہیاں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے۔ اور جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اللہ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

رواہ الامام الخطیب البغدادی فی "الجامع بین آداب الراوی والسماع"

دورخی اختیار نہ کرو

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلَا يَسْتَعُونُ عِنْدَهُمْ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا

پ ۵ سورہ النساء آیت نمبر ۱۳۸

منافقوں کو خوشخبری دے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان (کافروں) کے پاس عزت و شہرت ہے تو اللہ کے لئے ہے۔

اظہار حقیقت اور مقامِ عبرت

ممتاز ماہر تعلیم جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی ذات گرامی پاک و ہند کے اہل علم کا تعاون نہیں آپ فرماتے ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت کے جو کمالات تھے ان کا تذکرہ تاریخ میں نہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تاریخ انصاف نہیں کیا۔ یا تاریخ انصاف نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ ہمارے پاس مواد کی کمی تھی ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں حضرت کے خیالات کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وعظ و تبلیغ صرف تقریری طور کی گئی۔ تحریری کام بہت کم کیا گیا اس میں ان کے عقیدت مندوں کا تصور زیادہ ہے۔

(۲) جب میں ملائے پاکستان کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یکطرفہ ہے اس موقع پر میں نے شاہ فرید الدین دہلوی کا اور کچھ مولو حاصل کیا تب جا کر کہیں اپنی کتاب میں تذکرہ کر پایا۔

(۳) ملک و ملن ثقافت یا زبان قومیت کی بنیاد نہیں۔ بلکہ قومیت کی بنیاد عقیدت اور اخلاقی عبادت ہے اور ایمان کسی رنگ و نسل کا پابند نہیں۔ یہی بات مولانا احمد رضا نے مسلمانوں کو بتائی اور باطل نظریات کے خلاف اپنے ہزاروں خلفاء اور شاگردوں کیساتھ جہاد جاری کیا۔ نہ میرا یہ مقام ہے نہ میری اتنی قابلیت ہے کہ میں کچھ کہہ سکوں کیونکہ ان کے سامنے علامہ یونیورسٹی کے دانش چانسر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد زانوٹے ادب تہہ کرتے تھے!

(۴) شاہ احمد رضا نے حقائق کو جان لیا تھا۔ میں خود تحریک ترک موالات میں شامل تھا۔ آج جب میں دیکھتا ہوں تو تمام واقعات میری آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس وقت ایک ہی نگاہ دور بین تھی جو جانتی تھی کہ مسلمانوں کا اقتصاد مگر کی بجائے ہندوؤں سے ہو گا اور ان کا موقف درست ثابت ہوا۔

(۵) اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد الباقی فرنگی (علی) کو خطوط لکھے اور انھیں کہہ کہ مسلمان خدا عزوجل سے بڑھ گئے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ اسی طرح مولانا شوکت علی کو لکھا کہ "کاگرتے ہو تو اسلام ترک نہ کرو" اور اصولوں پر قائم رہو! (۱) احمد رضا ص ۱۲ ہفت روزہ افق کراچی ۲۹ ۲۵ فروری ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اول

مردوں سے یہ خواہش تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جاتی جس میں وہ بیان ہند کی "تحریک جہاد" کی آزادی ہند ۱۸۵۷ء سے لیکر "تحریک قیام پاکستان" تک کے احوال و واقعات کا حقائق و شواہد پر مبنی ہو۔ اس کے علاوہ ہند کی چند اسلامی تحریکات اور علما کے بارے میں بے لاگ اور بھرپور تجزیہ ہوتا۔ بہر صورت کتاب "پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکات اور علما" اس کے بہت سے مندرجات قارئین کو حیرت انگیز معلوم ہونگے۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہ تمام حیرتناک حقائق "گھر کے" مؤرخین نے تحریر فرمائی ہیں۔

آپ شاید اندازہ بھی نہ فرما سکیں کہ اس قسم کے موضوعات پر قلم اٹھانا بے خطر اور پار کرنے سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ ہند کے جائگہ حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ابھی ہوئی گتھیاں سلجھانے میں نہ جانے کتنی راتیں گزری جاتی ہیں۔ بات دہیں رہتی ہے۔ حوالوں کی تلاش و جستجو ایک مستقل صبر آزماسٹھ ہوتا ہے۔ اور انتہائی دردناک وقت وہ ہوتے ہیں جب ناکردہ گناہوں کے الزام میں جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اہل قلم کی بے انصافی قلم اٹھانے لگتا ہے۔ اس وقت رہو ا قلم کو سنبھالنا بڑا ہی دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس آنا سمجھ لیٹے

اک آگ کا دیا ہے اور تیسرے کے جانا ہے

عقیدت نے تاریخ کو مسخ کر دیا { ان حقائق کے باوجود کہ تحقیقات کسی کی جاگیر نہیں دنیا کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی موضوع پر بھی تحقیق کر

سکتا ہے۔ جناب مسعود عالم ندوی اور ان جیسے اہل قلم خاصے برہم نظر آتے ہیں۔ چنانچہ خود جناب مسعود عالم صاحب ندوی اپنی کتاب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں جناب ابراہیم علی ندوی کی کتاب "حیرت سید احمد شہید" کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

مگر انہوں نے کہ میرے عزیز ترین دوست اور میرے بھائی کا طرئی نظر و فکر ناقص عقیدت مند نہ ہے اور انہوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور غرو گذاشتوں سے نگاہ بیکارگی کو پیش کیا ہے۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۵

اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی عقیدت و ارادت خود جناب مسعود عالم صاحب پر ہو بلکہ کتاب ”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ کے مطالعہ کے بعد یہ امکان بالکل جاتا ہے۔ اور کتاب کے لب و لہجہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود جناب مسعود عالم صاحب کی ارادت کی کس منزل پر کھڑے ہیں۔

ایک طرف ان نفوس قدسیہ کی قربانیاں اور فداکاریاں ہیں اور دوسری طرف ہندوستان کے بے شرم مسلمانوں کی طرف سے ”تکفیر و تفسیق“ کا سدِ جلاہ لشریح جو بدایوں سے مدار اس تک پھیلا اور اب تک پھیلا جا رہا ہے۔ ”تو اب تکفیر کی تلوار کند ہو چکی ہے، غافقاہوں میں بیٹھ کر جو گویوں کی طرح مالا جیسے ولے ”سید احمد اور اسماعیل شہید“ جیسے مجاہدین امت پر کفر کے فتوے لگائیں اور بد نصیبی یہ ہے کہ ان بد بخوشوں نے آج تک ان نیک بندوں کو معاف نہیں کیا۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۳۶

اور اس عبارت کا حاشیہ بھی بطور وضاحت ملاحظہ فرماتے چلیں

ان لوگوں کو بد بخت کے علاوہ اور کیا کہا جائے ریگ کے تودے کو کوہِ دماوند کہنا راقم کے بس کی بات نہیں اور اگر یہ جرم ہے تو عاجز کو اس کا اعتراف ہے (حوالہ مذکور)

اور اس کتاب کے ص ۳ پر تو جناب ندوی کی برہمی اور نازک مزاجی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی اور ثقاہت کا مقدس خول اُڑنا ہوا نظر آتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں

باطل کو حق کہنا۔ یا اسکے مقابلے میں مدارات و مدارہنت سے کام لینا راقم کے بس سے باہر ہے ہم باطل کو بہر حال باطل کہیں گے خواہ دنیا والوں کو اچھا لگے یا بُرا بندہ حق کیلئے ”تودہ ریگ“ کو کوہِ دماوند کہنا بہت مشکل ہے رسالہ جامعہ کے تبصرہ نگار نے زبان اور طرزِ انشا کی ”سوقیت“ کی شکایت کی ہے۔

افسوس کہ ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ باقی اپنا اپنا ذوق ہے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۵

اب ندوی صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ ان حالات کے پیش نظر ان کے خود ساختہ ”تودہ ریگ“ کے ”دماوند“ کو کوہِ دماوند کون کہے گا حق گوئی حتیٰ پرستی میں دوسرے لوگ کچھ کم تو نہیں ہیں۔ اب اسے کیا کہیں گے کہ جناب ندوی کو دوسروں کی راست گوئی بھی زہرِ معلوم ہوتی ہو۔ جناب ندوی اپنی اس کیفیت پر عین خود ہی لکھتے ہیں۔

لیکن اپنی اس بد نصیبی کا ماتم کن لفظوں میں کیا جائے۔ دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے اور آنکھوں میں خون اُتر آتا ہے جب کسی ملاں کے فتوے اور خواتین سرحد کی عذاری یاد آتی ہے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۴۲

کہ جناب ندوی کو علم نہیں کہ جب برہمی اور غیض و غضب سے آنکھوں میں خون اُتر آئے اور صدمت ختم ہو جاتی ہے اور بصیرت کا بھی کہیں دور دور پتہ نہیں چلتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مغلوب و غلبہ شخص سے کسی دانشمندی اور عدل و انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

علم و حلم کا تعامنہ تو یہ ہے کہ فرقِ ثنائی کے نظریات بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور فرقِ اخلاقی کے استدلال پر بھی غور کیا جائے صرف اپنی ہی کہے جانا اور کسی کی نہ سنا کوئی معقول بات نہیں کہ ”مگر یہاں تو اپنا اپنا ذوق ہے“ کا عمل دخل ہے۔ ان حالات میں غیر جانبدارانہ تحقیق اور منصفانہ انداز کی کہاں گنجائش باقی رہتی ہے جناب ندوی خود ہی لکھتے ہیں۔

راقم کا عجیب حال ہے جہاں مجاہدینِ راہِ حق کا ذکر آیا وہ تمام اگلی اور پھیلی بے انصافیاں اور غلط بیانیوں ایک ایک کر کے یاد آنے لگتی ہیں۔ جو اربابِ ہوا و ہوس نے ان بزرگوں کے متعلق روارکھی ہیں اور رہو ارقلم بے قابو ہونے لگتا ہے کتاب مذکور ص ۵۱

حال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا ندوی کے ان بزرگوں کے متعلق کن لوگوں نے افواہیں اُڑائی ہیں اور کن لوگوں نے غلط بیانیوں کی ہیں۔ اور کیوں۔

اس باب میں ہم علی رؤس الاشہاد کہہ سکتے ہیں کہ مجاہدین کے سوانح نگار اور تذکرہ نویس تاریخ کے لیکر پہلی اسلامی تحریک اور اس سے ماقبل و مابعد تقریباً سبھی سید صاحب و مولوی

جناپز ہی سلسلے میں سرحد سے ریاست گوالیار کے مدارالہام اور بہار جبر دولت کے سربراہ
وزیر اور برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو جو آپ نے خط تحریر فرمایا تھا وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے اس
اصلی عزائم اور ملکی حکومت کے متعلق آپ کے نقطہ نظر پر روشنی پڑتی ہے ص ۴۹ اور پھر مولانا صاحب
صاحب مدنی سید ابوالحسن صاحب ندوی کی کتاب "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان" کے
کے حوالہ سے وہ خط بھی نقل فرماتے ہیں۔

دقتی کہ میدان ہندوستان از میگا نگل خالی گردیدہ و تیر سعی الیشال بر بدن مراد صیہ
مناصب ریاست دیاست لطالبین آن مستم باد یعنی جو وقت ہندوستان ان
ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائیگا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ
جائیگا۔ حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو انکی طلب ہوگی
(نقش حیات ص ۴۲)

کیا یہ ارشادات انھیں کے متعلق نہیں جن کا دہلی کی کمزور حکومت کیلئے اٹھنا انکے عظیم مشورہ
لوہین تھی اور یہاں پورا قمر جہاد ہندوؤں کو بخش دینے کیلئے تیار ہیں۔ جناب مدنی اپنی اسی کتاب میں
میں اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ہندوؤں سے اختلاف مذہب کی بنا پر آپ کو پرغاش تو کیا ہوئی آپ کمپنی کے ہاتھوں مظلومیت
اور پامالی میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں جانتے تھے اور جہاد سے آپ کی غرض دونوں کو ہی
اجنبی اقتدار کی مصیبت سے نجات دلانا تھا۔ کامیاب ہونے کے بعد ملکی حکومت کا نقشہ کیا ہوگا
اسکا فیصلہ آپ طالبین ریاست دیاست پر چھوڑتے ہیں۔

مگر ہندوؤں کو اطمینان ضرور دلاتے ہیں کہ وہ سید صاحب کی کوششوں کو اپنی ریاست کی جیل
کے مستحکم ہویکا باعث سمجھیں..... بیشک سید صاحب جگہ جگہ اعلیٰ کلمہ اللہ اور دین
رب العالمین کی خدمت کا ذکر کرتے اور اسی کو اپنی سماجی کا محرک بتاتے ہیں۔ لیکن آپ خوب
سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ کلمہ اللہ کا ذریعہ صرف یہی نہیں ہے کہ۔ ایک فرقہ دار گورنمنٹ
قائم کیا جائے اور خود حاکم بنکر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے۔
بلکہ اس کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ برادران وطن کو سیاسی اقتدار میں

ایسا شریک کر کے اسلامی فضائل اخلاق سے انکے دلوں کو فتح کیا جائے۔
الافیت و اکثریت کے مسئلہ کی کوئی پیچیدگی آپ کے ذہن میں نہیں تھی کیونکہ آپ کے نزدیک دونوں
کے معنیات چیزیں تھیں۔ جو اپنے عمل میں سب سے زیادہ پرورش، فداکار، مہرگرم اور مخلص
وہاں ہونا چاہیے اور اہمیت اور لیڈر شپ اسکے ہاتھ میں ہوگی خواہ وہ اقلیت کے فرقہ سے
تعلق رکھتے یا اکثریت کے فرقہ سے

(نقش حیات ص ۴۲)

ہے جہاد فی سبیل اللہ خالی نہ ہو جو اللہ کی المنک غرض و غایت۔ جو قبول ندوی صاحب
کے عین معانی تھی: اگر غور کیا جائے اور جناب حسین احمد صاحب مدنی کی تشریحات کو مد نظر
رکھا جائے تو اسی جہاد کا راستہ کتاب سنت سے ہوتے ہوئے بھارت کے موجودہ نظام سیکولر صیٹ تک
پہنچا ہے۔ تعجب ہے کہ سید صاحب کے مداحین پھر بھی اسے خالص جہاد فرماتے ہیں۔

ندوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کیا کریں۔ آپ کی توضیحات قبول کریں، یا دیوبند کے شیخ الحدیث
کی تشریحات کو مانیں مذکورہ مندرجات سے کئی انہونیال سامنے آرہی ہیں مثلاً یہی کہ دہلی کی حکومت کو
خود نہیں کیا جاسکتا! کیونکہ وہ خاندانی اور شخصی تھی۔ مگر ہندو راہبوں کو یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ
ریاست کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم سمجھیں۔ اور یہ بھی غور کرنیکی بات ہے کہ "حکومت علی منہاج النبوة"
کی بات اس وقت کہاں جا پہنچتی ہے جب کہ اس خالص جہاد سے حاصل کردہ حکومت الہی کو مولانا مدنی
اور گورنمنٹ قرار دیتے ہیں اور مورخین حضرات خلافت راشدہ کا نمونہ بنانے پر اصرار فرماتے ہیں۔
کیا اس طبقہ کا کوئی ایسا فرد ہے جو اس "فرقہ دار گورنمنٹ" کی وضاحت کر سکے!۔ سچ یہ ہے
کہ برادران وطن، دوسرے لفظوں میں ہندوؤں کی خواہاں اور چاہت نے مولانا مدنی سے ایسی ایسی
کہانیاں بنائی ہیں جنہیں پڑھ کر ایک مخلص مسلمان لرز اٹھتا ہے۔

اب مولانا مدنی سے کون پوچھے کہ حضرت خیر القرون (دور رسالت میں) اور پھر دور خلافت
میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور انکے اطراف و جوانب میں مشرکین دیہود اور نصاریٰ آباد تھے یا نہیں
کیونکہ آپ کی اصطلاح میں وہ "برادران وطن" تھے یا نہیں۔ اگر تھے تو انھیں کیوں اسلامی حکومت میں
داخل نہیں کیا گیا۔ کیا آپ اس حکومت کو "فرقہ دار گورنمنٹ" کہہ سکتے ہیں!

ہیں قرن اول میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ حکومت برادران وطن کے سپرد کر کے اعمال کی مادی جاری ہو جو رح دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی است

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ علمائے کرام کے اس فیصلہ طبع نے اپنے اسلامی اخلاق کا کیا حال کیا؟ "برادران وطن" کو دوزخ سے نجات دلائی ہے؟ اس کے خلاف اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو بات بالکل برعکس نظر آتی ہے مثلاً یہ کہ ہزارات کے بجائے، سادہی پر پھول چڑھانا، میلہ کے بجائے رام لیلا کی تیاری کرنا۔ یا رسول اللہ کے بجائے، گاندھی جی کی بے پکارنا۔ دور دورہ کے بھائے۔ بندے ماترم کے ترانے گانا۔ رواداری میں بیچو گاؤ کو ممنوع قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہی کہتے ہو بھول جاؤ مجھے۔ بخدا میرے بس کی بات نہیں۔

بات شخصی حکومت کی رہی بات شخصی حکومت کی تو یقیناً اس حکومت کو ختم کر دینا منہاج النبوة نہیں کہہ سکتے۔ مگر عرف عام میں اسے اسلامی حکومت تو کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہیں تو مسلمانوں کی حکومت ہی کہہ لیجئے ورنہ تیرہ صدیوں کا اسلامی راستہ تاریکیوں میں گم ہو جائے گا۔ دور بنو امیہ، دور بنو العباس، دور عثمانی و ترکی، جسکے لیے فرقہ و ملافت چلائی گئی۔ اور پھر فاطمیوں، علویوں، سلجوقیوں، غوریوں، غزنویوں، مغلوں، افغانوں کے متعلق بھی دریافت کیا جائیگا کہ انکے متعلق کیا فرماتے ہیں علمائے دین!

اور پھر ان سب کے بعد ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ حکومت سعودیہ عربیہ کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں؟ جسکے احیائے قرآن و سنت کا نفاذ پورا قافلہ بڑے شدید مدد سے بجا رہا ہے۔ اس کی کہہ نہیں سکتے۔ جناب شورش سے سنئے وہ کیا فرماتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے بھی ساری عمر اسی مکتبہ فکر کی نمائندگی کی ہے۔ منوائی فرمائی ہے۔ اور موصوف کہیں علمائے دیوبند کی صف اول کے جانبازوں میں تھے۔ اور آخری عمر میں جناب مودودی صاحب اور ان کی جماعت سے بڑا گہرا تعلق قائم ہو گیا تھا۔ جناب شورش کی اس جرأت پر علمائے دیوبند اتنے برہم ہوئے اور انکے خلاف ایسی دل آزار زبانیں استعمال کیں کہ وہ ان علمائے کرام کے ساتھ جنت میں بھی جانے کیلئے تیار نہ تھے۔

اور جب پانی سر سے گزر گیا اور الزامات و بہتان کی یلغار حد سے گذر گئی تو باہر مجبوری انہوں نے بھی رہو ا قلم کی باگ ڈھیلی کر دی۔ جناب شورش گھر کے بھیدی تھے ان مقدسین کو گھر پر کیا کام

ہر سازش کو بے نقاب کیا۔ نہ حکمران نجد کی شمشیر برائیاں، نہ علمائے دیوبند کے دھار دار قضاے مذہبی صاحب جیسے لوگوں کی ہلاکت خیز تحریریں انکے سید راہ ہوئیں۔ فہرستے ہیں

سعودی حکومت قرن اول کی حکومت نہیں! آجکی بادشاہت ہے۔ بادشاہت علمائے نبی نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی یادگار ہے اور ہم نے اپنے لئے اسے مشرف اسلام کر لیا ہے۔

شب جائیکہ من بودم ملا شورش کا شمعیری

جناب شورش علمائے دیوبند سے متعلق ہونیکے باوجود قبروں کا انہدام اور آثار مقدسہ کی پامالی اور گورائے ہیں اور فرماتے ہیں۔

ہو لوگ اسکا نام قرآن و سنت کے احکام لکھتے وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے۔ اپنے اپنے محل بناتے محمد عربی کی دولت سمیٹتے اور اسکا نام خزانہ شاہی لکھتے ہیں میں ذات آدم کے صدقہ میں عزتیں پائی ہیں انکے آثار اقدس کی یہ بیحرمتی! یہ قرآن و سنت نہیں امانت اور صریح امانت ہے۔ اللہ کی زمین اور انکے دینیئہ اس کی مخلوق کے مال ہیں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسان کا گلابالے، خود چرواہا بن جائے، گوشت کھائے کھالیں بیچ ڈالے۔ موت کسی کا بیچا نہیں چھوڑتی۔ جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں..... لیکن جنت معلیٰ میں وہ لوگ موبے ہیں جو ہیں زندہ کر گئے، یہیں بقا دے گئے۔ جو نہ پھیر کر شاہوں پر نگاہ کرتے تو انکی گودڑیوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتے تھے۔ سعودی حکومت عشق اور شرک میں فرق نہیں کر سکی ہے۔

شب جائیکہ من بودم ملا

لوگوں کا استیصال سید صاحب کے جہاد کے منجملہ مقاصد میں قبر پرستی کا استیصال بھی تھا چنانچہ جناب مودودی صاحب ندوی اپنی کتاب "دستار کی پہلی اسلامی تحریک" میں "دعوت اور مشن" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

سید صاحب کی دعوت خالص کتاب وصفت کی دعوت تھی بدعت و شرک کا
اُن کا مشن تھا۔ وہ دین محمدی میں عہد فاروقی کی پاکیزگی اور شوکت پیدا کرنا چاہتا
تھے توحید خالص کی تبلیغ قبر پرستی کا استیصال مراسم تفریح کو بیخ کنی سے اُن کا
مہینکننا اور نکاح بیوگان کی ترویج اُن کی دعوت کے اہم اجزاء تھے۔
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۱۳۰۰

مسافروں پر قبر پرستی کا الزام نہایت سنگین الزام ہے۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں مسلمان
ہیں کہیں بھی قبر پرستی نہیں ہوتی مزار اور صاحب مزار کے احترام اور فاسخ خوانی کو پرستش اور
تعبیر کرنا بہت بڑا المیہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اعتدال اور
مزارات کو منہدم اور پامال کرنا انتہائی بربریت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تمام دہلی
توحید کے فروغ کیلئے قبروں کے انہدام اور استیصال کو جزو ایمان بنا رکھا ہے۔ اور ہم
کہہ سکتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کی قبروں کے انہدام میں یہی جذبہ کارفرما تھا۔ چنانچہ وہ بیان
حجاز مقدس پر غلبہ و استقلال کے بعد جشن فتح قبروں کی پامالی ہی سے شروع کیا تھا۔
یہاں یہ بحث نہیں کہ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے (اس باب میں علمائے کرام
لکھا ہے کہ مزید کی ضرورت باقی نہیں رہتی) میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے
اور اپنے آباء و اجداد کی قبروں کے بارے میں ان مومنین مقدسین کا طرز عمل کیا ہے۔
یہی جناب مسعود عالم صاحب ندوی اپنی اسی کتاب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں
تفصیل سے ایک تجاہد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جب بیس سال کے بعد اندامان سے واپس ہوئے (سنہ ۱۳۰۰) تو خاندانی قبرستان کا
منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور کراٹا کا تبین کی انتہائی صفحہ کے باوجود آنکھوں سے خون کے قطرے
ٹپک پڑے۔ میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو کہیں چودہ پشت سے ہٹا دوں
اجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین
غفر اللہ لہما کے مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں
مگر ہر چند کوشش کی پتہ نہ ملا بعد تجسس و تفتیش بسیار غور فکر کے قریب سے معلوم

حضرت والدین ماجدین کی قبر کھود کر اس پر بنا علی عمارت میونسپلٹی بنادی گئی ہے۔
(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳)

۳۱ پر مزید تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت ناظرین! اس وقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کیساتھ کی گئی جو مدبرہ دل
کے ساتھ بیرون از حیضہ تحریر و تقریر ہے اس وقت اس کی یاد سے دو گئے تک کھڑے
ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات و آباء و اجداد کی
کیوں کھودی گئیں اور وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا "عادل گورنمنٹ"
کیوں یہ کام کیا۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳)

میں کیوں کا جواب تو "عادل گورنمنٹ" ہی دے سکتی ہے کہ اس نے کیوں ایسا کیا۔ البتہ بلا جرم
کے معابر پامالی ہو سکتے ہیں تو یہاں کوئی چیز مانع ہے۔ صفحہ حضرت! اختلافات نظریات
اور ہم قبروں کی اس پامالی کی تائید نہیں کر سکتے۔ انگریزوں نے وہ بیان صدا قبول کی قبروں کو
انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔

مکافات عمل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنکی آنکھیں مقبرہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ
شہداء شہداء بدر و واحد، روضہ فاطمہ الزہری، آرام گاہ شہداء کربلا کی پامالی اور انکی
مناک نہیں ہوئی تھیں۔ اب ان کی آنکھوں سے کراٹا کا تبین کی انتہا زور آوری کے باوجود
کے طرے ٹپک رہے تھے۔

ہر صومعت تاریخ اپنے اوراق الٹی ہے۔ اور تلک الایام نداؤ لہا کی تفسیر ہر دور میں لکھی
جاتی ہے عرب اور حجاز مقدس میں انگریزوں کی مدد سے نجدیوں نے جو کچھ کیا۔ قدرت نے
انکی ہی کے ہاتھوں ہندوستان میں انکے مومنین کیساتھ وہی صورت پیدا کر دی۔
نکھتے ندوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔

ان کی دعوت کے علمبردار شیخ الاسلام محمد ابن عبد الوہاب کی نسبت کرنا تو محمدی کہنا
ہے۔ البتہ عزم و عمل کی مرہ قوتوں کو جھیل دیکھا۔ بیجان پیکروں میں نہ انکی حرارت

ذالہی اور پورے خطے کو اسلامی رنگ میں شراور کر دیا۔ یہ ایسا گناہ ہے کہ
مناظران فرنگ اور ان کے ہونخواہ معاف نہیں کر سکتے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

جہاں شریعت کی فراروائی ہے

کاش ایسا ہی ہوتا جیسا کہ ندوی صاحب
اور جی حیدر عثمانی ندوی صاحب

لوگ دعوت کھا کر خلعت لیکر شرب و روزن طب اللسان نظر آتے ہیں۔

اس باب میں جناب شورش کے علاوہ ہم میں سے کوئی کچھ کہہ دیتا تو کھرام بجی مانتا۔
لہذا اٹھتے اور نہ جانے کتنی آنکھیں غلغلے لگتیں۔

یاد رہے کہ جناب شورش نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک ایسی دستاویز اور ایک ایسی
جس سے انکار ممکن نہیں۔ لکھتے ہیں۔

غار ثور۔ اداس پڑا ہے اس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے لیکن بادشاہت
قرآن و سنت کی آڑ میں اس پر دیرانی کی دیوار کھینچ دی ہے۔
(شب جاثیکہ من بودم ۳۸)۔

اور صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔

ان کے ہاں سب سے زیادہ خطرناک چیز کتابیں ہیں، اخبار اور رسالے ہیں، اصل
زبان کی ہے۔ کلام اللہ کا اردو ترجمہ بھی یہاں روک لیا جاتا ہے۔

لیکن لبنان کے عربی جرائد و رسائل بالخصوص جن میں حواکی بیٹیوں اور زلیخا کی
نشیوں کا نثر نمایاں ہوتا ہے ہر قدغن سے آزاد ہیں۔ وہ روزانہ آتے اور
لکھتے ہیں اور ان کی خریداری عورتوں میں بکثرت ہوتی ہے۔ ان پر ہند اور نیم پر
رسالوں پر کوئی پابندی نہیں۔ پابندی الی شریعت پر ہے۔ جس کے متعلق یقین کیا
ہو کہ اس میں مزاج شاہی پر چوٹ پڑتی ہے۔

(کتاب مذکور ص ۲۸)۔

مولد النبی زندہ ابی دای، کی زیارت کے بعد لکھتے ہیں۔

مولد النبی اور بیعت النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کے پاس کھڑا یہ سوچنا ہوگا
کیا ہے؟ حضور کی کمی زندگی یاد آگئی ان مکہ والوں نے حضور سے کیا سلوک
کیا تھا ان کے مکانوں سے کوئی سلوک کرتے۔

یہاں کی زیارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

اس نام کی دو چار چیزیں محفوظ کر لی جائیں تو عیب کیا ہے؟ اس سے قرآن و سنت کی
حفاظت و رزی کہاں ہوتی ہے اور کہاں منشاۃ الہی کی نفی ہوتی ہے۔

اور حکومت خود کو بھی تو محفوظ کر رہی ہے۔ اگر شریعت کا اتنا ہی خیال ہے تو شریعت
پہن ہے کہ جبل فوہیم پڑا ہے اور اعلیٰ نگہداری سے قطع نظر کیا جائے۔

شریعت کے احکام معاشرہ اور ریاست کیلئے ہیں آثار و مظاہر کیلئے نہیں۔
جہاں اجتہاد لازم ہے وہاں اجتہاد کا نام بدعت بلکہ بغاوت رکھ دیا ہے۔

علماۃ راشدین کیا اپنے ساتھ حفاظتی دستے رکھا کرتے تھے۔ وہ ملیاروں میں
نہتے پھرتے تھے۔ کیا انہوں نے گرام اور سرا کے دارالحکومت بنائے تھے۔ کیا ان

کے محل اور قصر تھے۔ کیا ان کے لئے میاں تھے۔ وہ شاہانہ کردارے حرم میں داخل
ہوتے تھے۔ انھیں جلالتہ الملک کہا جاتا تھا۔ وہ فلک بول عمالتیں کھڑی کرتے

تھے وہ صونے کے زیوروں اور ریشم کے کپڑوں میں تلتے تھے۔ وہ ٹیلیوژن لگاتے
تھے۔ جب نئے دور کی سب چیزیں قبل کر لی ہیں تو ایک تاریخ اور اسکے خزینے ہی

ایسے ہیں جنہیں محفوظ رکھنا بدعت ہے۔

یا خلافت سنت..... یہ سب اللہ کے نبی کی آخری نشانیاں ہیں۔ تاریخ کے
جو اہر ریزے اور عقیدے کے شر پارے ہیں انھیں سے تاریخ کو تحقیق اور زائروں کو عشق

کی راہیں ملتی ہیں۔ غار اسیرت النبی کا پیلا پڑا ہے۔ اب تک وہاں حضور کے
قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہیں۔ اور ان کے ہونٹوں کا ارتعاش صبا میں گھلایا معلوم

ہوتا ہے۔ سلام ہوا ہے جبل نور سلام ہوا ہے غار حبرا

شب جاثیکہ من بودم ۳۸

بدر کی زیادت کے بعد تحریر فرماتے ہیں!

ان کی قبریں آج دارثانِ صنت کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں تاریخ کے وہ عظیم انسان جو
موتے جا رہے ہیں جنہیں عقبہ اور ابو جہل نہ مٹا سکے انہیں ہم اپنے ہاتھوں سے مٹا دیں گے۔
..... یہ قرآن و صنت نہیں یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یاد گاریں مٹا دی جائیں
اور اپنی یاد گاریں کھڑی کی جائیں۔

شب جائیکہ من بودم ۱۲۵

احد کی زیادت کے بعد لکھتے ہیں۔

اس احد کے دامن میں زمین سے دوڑنے بلند اور پہاڑ سے ڈھیروں نیچے غارت گری
عبداللہ ابن جحش اور مصعب ابن عمیر کی قبریں ہیں لیکن آلِ سعود کی شرعی بیعت
ہموار کر دی ہیں۔ ہندو نے حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا لیکن انہوں نے حمزہ کی قبر پہاڑی
کتاب مذکور ص ۱۴۵

اور پھر لکھتے ہیں۔

ان مزارات کی بھرتی کا نام ان کے نزدیک قرآن و صنت ہے کیا انہیں روحوں کے اس
سفینے کی عظمت کا اندازہ نہیں۔ مگر ابی روکنے کی آہ میں بھرتی جائز ہے؟ کیا عشق کا نام
عروں کی لذت میں شریک ہے۔۔۔ میں عربی سے واقف ہوتا تو کوہِ صفا اور جبلِ احد پر کھڑے
ہو کر دیکھتا تو اسے محمد کے ہم وطنوں نے جنت البقیع میں ہل چھو کر ہمارے دل کے شیشے
توڑ دیے ہیں اور اب ان میں کوئی صدا باقی نہیں رہی ہے۔

شب جائیکہ من بودم ۱۲۵

ذکر جب چھر گیا قیامت کا
قارئین! نہ چاہنے کے باوجود بھی بات بڑھتی جا رہی ہے
اور مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔

پتہ ہے کہ کچھ بڑے لوگوں سے چند غلطیاں ہو گئی تھیں جن پر درد مند لوگوں نے احتجاج
کیا اور ان غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔ مگر اصلاح قبول کرنے کے بجائے ہند اور صحت اور
کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ایک نہ ختم ہونی والی سرد جنگ شروع ہو گئی۔ اور حالت یہاں تک پہنچ گئی

ایک طرفیت و طرفیت میں ایک تھے جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

اور کچھ لوگوں نے یہ کیا کہ اپنی بات لکھنے کیلئے تاریخ کے چہرے کو مسخ کر ڈالنا کہ اپنے عمدہ حین
اور اسے اٹھا کر عرش پر بٹھا سکیں۔ اور دوسروں کو عظمت کی بلندیوں سے مذلت کی گہرائیوں
تک گرا دیں۔

مگر جس طرح بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں وسیع زمین کی پرسکون تہوں میں اور ناپید و گم

ہو جانے کی گہرائیوں میں بے شمار خزانے اور بے پناہ عجائبات دفن ہیں۔ اسی طرح تاریخ کی
ہر ایک گونا گوں حالات و واقعات سے لبریز ہیں اور اصل شکل و صورت بہر حال ظاہر ہو کر رہتی ہے
یہ نظر کتاب پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علمائے حق اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک
سیاسی، مذہبی، جہازنہ ہے اس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور جہاں تک میں
تک اس دور میں اس کی سخت ضرورت ہے۔

اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکا کہ صحیح صورت حال کا اظہار ہی لوگوں کو قلعہ فہمیوں
کا مکتبہ ہے۔ آج حقیقت حال کی واقفیت ہی کیونکہ ایک بہت بڑا طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ
سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی تحریک جہاد نے انگریزوں کو
لہو بر اندام کر دیا تھا۔

اور یہ کہ سپٹان ظالم اور منافق تھے۔ مجاہدین مظلومیت کی حالت میں شہید کر دئے گئے۔ مگر
اس واقعہ میں کے بالکل برعکس ہے۔ افوس کہ ماضی میں پٹھانوں کے نقطہ نظر جاننے کی کوشش
کئی اور یک طرفہ فیصلہ ہوتا رہا۔

• صحیح یہ ہے کہ سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے ایک رٹائی بھی نہیں
لے کر مابین خاصا بھائی چارہ رہا ہے۔ البتہ پٹھانوں پر انہوں نے عرصہ حیات ضرور تنگ کر دیا تھا۔
اس وقت یکر انہیں بیدار بننے کو اور قتل کیا گیا۔ بلکہ انکی عصمت کو بھی پامال کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ پٹھانوں ہی
کے ہاتھوں ہند کی دہائی تحریک اپنے خوفناک عزائم کیساتھ انجام کو پہنچ گئی۔

• اسی طرح جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انکی کوئی خاص خدمات نہیں۔ یہ لوگ انگریزوں کے خوف
پہچتے پھرتے تھے۔ بلکہ حریت پسندوں سے جنگ کرتے تھے مگر جانبدار مکاروں نے انہیں

مجاہدین کی صف اول میں کھڑا کر دیا ہے اور اب تحریک آزادی کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔
 ● تحریک خلافت کے دوران تحریک ترک موالات چلائی گئی اور پھر ہندوؤں کے الگ ہونے کی تحریک ہجرت کے بانی مہاتما جی ان موجدین نے مشرکین سے نانا جوڑا، فرنگی اور برہمنی معاملے میں ہونے لگا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جوش و جذبہ سے اٹھائی ہوئی یہ تمام تحریکیں ناکام ہو گئیں۔
 اخوت کو توڑ دینا والوں اور "برادران وطن" سے غیر فطری رشتہ جوڑ دینا والوں کی آنکھیں کھلیں۔
 ● ہندو اکثریت کے دباؤ، اور گاندھی جی کے اشارے پر دربرادران وطن کو خوش کرنے کی کوشش کو ممنوع قرار دیا۔ اور ان سے ملکر ایک قوی نظریہ کی بنیاد رکھی مسلمانوں کے ملی تشخص کو بالکل ایمان والوں کو اٹھانے تاریخوں کے حوالے کر دیا۔

● مسلمانوں کے ملی اور قومی امتیاز و تشخص کا سوال پیدا ہوا اور قیام پاکستان کی تحریک میں حضرات اخوت اسلامی سے اغراف کر کے ہندوؤں سے مل گئے۔ قیام پاکستان اور مسلمانوں کی شدید ترین مخالفت کی مگر پاکستان بنتے ہی "تحریک پاکستان کے" ہیرو نظر آنے لگے۔

چوہدری حبیب احمد اور نیشنلسٹ علماء
 مؤرخ ہونا تو بڑی بات ہے مجھے تو اہل تاریخ کو تاریخ کا طالب کہتے بھی شرم نہیں ہے۔ مگر یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر انسان فطرۃً تاریخ سے دلچسپی رکھتا ہے۔ اسے مسلمانوں کے حال بلکہ مستقبل سے بھی دلچسپی ہوتی ہے۔ اپنے گرد و پیش رونما ہونے والے احوال و واقعات سے اپنے ذہن کی کوشش کرتا ہے۔

اور یہ کون نہیں جانتا کہ تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جس کے سامنے آنے کے بعد کوئی شخص اپنے گہرے کے حسن و قبح کو نہیں چھپا سکتا اس سلسلے میں بجائے اسکے کہ میں خود کچھ عرض کروں مہاتما چوہدری حبیب احمد صاحب کی کتاب "تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء" سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

تاریخ کیا ہے! یہ عجیب دودھاری تلوار ہے یہ موافقت و مخالفت اور حمایت و ممانعت کے کردار کے تمام پہلوؤں کو نکھار اور ابھار کر سامنے لاتی ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس اس کی صحیح تاریخ موجود ہو تو وہ قوم اپنے ماضی کے تجربات کے آئینے میں اپنے حال کو دیکھ کر خوشنہ

مستقبل کو تابندہ بنا سکتی ہے۔ لیکن اگر تاریخ غلط ہے تو وہ غلط فہمیوں کی ایسی ندہنیا بن جائے گی جس میں گھری رہتی ہے جس سے اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔
 ...
 اس شہید کوئی یہ بھی باور کر نہ سکتا تھا کہ ہندوؤں کی پیش قدمیوں سے قبل ہمارے چوٹی کے مذہبی پیشوا اس قسم کے کھیل بھی کھیلتے رہے ہیں اور یہ سب کچھ وارد ہوا آئندہ کے مہاتماؤں اور آئندہ کے پندتوں کی نیشنلسٹ فوج کا ہر اقل دستہ بن کر سرانجام دیا گیا۔ ... واقعات و معاشقہ کی یہ دلاور بگڑ سوز تفصیلی کتنی ہی غیر پسندیدہ کیوں نہ ہو مگر حال ہماری تاریخ آزادی و استقلال کا عبرت انگیز باب ہے۔

ان مقدسین نے غیروں کے اشارے پر "متحدہ قومیت" کے نام پر ایک نیا سوغناات تعمیر کیا اور تحریک پاکستان کے خلاف اس بت کی پرستش عین اسلام قرار دی۔ ... تاریخ شہادت سے رہی ہے کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے مابین یہی معرکہ دین و دمن رونما ہوا۔ خود ہمارے گھر کے جبہ و دستار میں لپٹے ہوئے، مذہبی پیشوا امام الہند اور شیخ الہند کے مقابل میں مقدمۃ الجہش بنا کر کھڑے کئے تھے۔ کیا آج ہماری نئی نسل یہ تصور بھی کر سکتی ہے کہ مسلمانوں کیسے جس جہاد کا نہ مملکت کے حصول و قیام کی جنگ بڑی جا رہی تھی اسکی سبب زیادہ مخالفت خود مسلمان اور اسکے مذہبی اہلکاروں کی طرف سے ہوئی! لیکن اس تلخ اور المناک حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایسا ہوا اور روز روشن میں ہوا!

اور یہ کہ ان قوتوں کے خدوخال بھی نمایاں اور واضح کر دیں جو پر فریب ادلوں، عشوہ طرازیوں اور اسلام کے مقدس زرین نقاب اور دھکر مملکت کی نشاۃ ثانیہ کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ ان کے نام و کام کے تذکرہ سے ماضی گزیدہ اور شخصیتیں ناراض و برہم ہو گئی۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ تاریخ نے آج تک کسی کو معاف کیا ہے نہ فسق و فساد! (یاد رہے کہ) ہماری نوخیز نسلیں اور آئندہ آئندہ اس بات کا خدشہ سے منتظر ہے کہ ان حقائق و واقعات کو ابھار اور نکھار کر سامنے لایا جائے۔ جن سے تحریک

پاکستان کو دوچار ہونا پڑا۔ اور اسلام کے ان منافقوں، اور غداروں کو بے نقاب کر کے ان کے سامنے کھڑا کیا جائے۔ جو گاندھوی فلسفہ کے مؤید اور حمایتی بن کر قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔

”مقدمہ تحریک پاکستان اور نشیست علماء“ چوہدری حبیب احمد

الحاصل۔ اس کتاب میں علمائے حق (علمائے اہلسنت) پر نرا واروارہ کئے گئے ہیں۔ جو جہاد کا حقیقی جواز دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان بے انصافیوں کا بھی ذکر ہے جو جہاد پر تہذیب و تمدن کے علمائے حق پر روا رکھی ہیں۔

اہل قلم کی بے انصافیاں

جہاد حریت ۱۹۵۷ء اور اسکے قایدین و مجاہدین کے احوال میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو جہاد کے نام پر سہرے حروف میں لکھے جانے پا رہے تھے مگر اس دور کے اہل قلم و نگار حضرات نے ان کے ذکر میں نہ صرف یہ کہ سخت بے احتیاطی کی ہیں بلکہ انتہائی بددیانتی کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ اس باب میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ وہ مذکورہ نام نہاد جنہیں ”فادار سرکار“ ہوشیاری سے استبداد کی ان اہواگلی تارکیوں میں تحریر و تقریر کی نام نہاد حاصل تھیں مجاہدین ۱۹۵۷ء کی نہایت ظالمانہ انداز میں کردار کشی کی ہے۔ بلکہ تاریخ کیساتھ ایسا گھناؤنا اور دل آزار مذاق کیا ہے کہ اب اسکا ازالہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ان حضرات نے اولاً تو جہاد حریت کے جانبازوں کا ذکر ہی نہیں کیا ہے اور اگر کہیں ہوا ہے تو نام ابھی گیا تو اس قدر استغفاف اور حقارت سے کام لیا گیا ہے کہ اسکے پڑھنے سے دل لرز اٹھتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو قلم ایسے لوگوں کے ہاتھ میں نظر آتے ہیں جنہیں پروردہ سرکار کہا جائے تو کچھ غلط بات نہ ہوگی۔ جو اپنی تمام تر ظاہری ثقافت کے باوجود عناد اور جانبداری کی کثافت سے آلودہ نظر آتے ہیں۔

جانبداری کی ان حوصلہ شکن تارکیوں کے باوجود پوسے یقین کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دل و دماغ سے جہاد کی روشنی سے بے گار اور عناد و جفا کے تہ در تہ گھیر بادل و فاد و مفا کی دھند میں دیر کر فیل کو تادیر نہیں دوکھینکے۔ اور عظمت کی خود معاشہ بلندیوں پر زبر ہو جائیں گی۔

اہل قلم کا فرزند عظیم

اس دردناک نظر اندازی کا شکوہ صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ ہر اس اہل علم اور اہل قلم کو ہے جس میں ذرا بھی انصاف و انصافیت کی غول باقی ہے۔ چنانچہ جناب رئیس احمد جعفری اپنی معرکہ آرا تصنیف ”بہادر شاہ ظفر“ کا مہذب میں تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا فضل حق علیہ الرحمہ کی شخصیت، سیرت، کردار، اور علم و فضل پر ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب لکھی جاتی لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے۔ فراموش کر دئے گئے اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کرینگے۔ یہ کون بزرگ تھے ”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد ۱۸۵۷ء رئیس احمد جعفری“

حقیقت یہ ہے کہ ان عظیم المرتبت لوگوں کی کردار کشی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کی گئی ہے اور مجاہدین جنگ آزادی کے مہر و ماہ کی طرح چمکتے دھمکتے پھروں پر جس طرح لوگوں نے اپنے دلی سہا پہاں ملی ہیں اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اب ایک طویل عرصہ گزر جانیکے بعد اس کا کلام ادا کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔

معاندانہ طرز عمل اس سلسلے میں جناب جعفری فرماتے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں جو چیز قطعییت کیساتھ نظر انداز کی گئی ہے وہ ہے مجاہدین کا ذکر۔ ذکا اللہ نے اپنی تاریخ میں انہیں ”لجائٹھڈ“ قرار دیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے، سر سید نے اور دوسرے بزرگان ملت نے جو لکھا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات یا تو ان مجاہدین کے وجود سے ناواقف تھے یا اگر واقف تھے تو نہ صرف یہ کہ انہیں اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ انکے جذبہ اور کردار اور عمل کا استحقاق کرتے نہیں تھے۔ انکے انداز میں اتنی بددیوباری غیرت اور پر عناد اجنبیت ہے کہ اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ لیکن خود ان لوگوں نے اور انکے آقا یاں ولی نعمت یعنی انگریزوں نے دستاویزی ثبوت کو سامنے رکھ کر جو حالات لکھے ہیں جو واقعات قلمبند کئے ہیں جن کی کیفیت کا جائزہ لیا اور تجزیہ کیا ہے انہیں پیش نظر رکھتے تو انکے مخالفانہ اور معاندانہ غیر مہذب اور ناشائستہ الفاظ و لب و لہجہ کے باوجود بین السطور سے ان مجاہدین کا روشن بلند اور سرشار

شک کہ دار صاف جھلکتا نظر آتا ہے جیسے پیڑ و تارکات میں بجلی چمک مانی ہو
جیسے گھنے بادلوں کی اوٹ سے سورج جھانکتا ہے جیسے بایوسکوپ کے اندر
کوئی کرن چھوٹتی ہے۔

بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ۵۱۸

تذکرہ نویسوں کی حشتم پوشی

اس باب میں جناب مفتی انتظام اللہ شاہی
گواہی بھی دیکھتے ہیں تحریر فرماتے ہیں

ہندوستان کی سیاسی تحریک میں علماء کا جقدر شاندار کامنامہ اور جذبہ وطنیت کا
منظاہر ہے اسکی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی البتہ انڈیا کے اقتدار و تذابیت
کے خلاف سب سے پہلے علماء ہی کی آواز مخالف اُٹھی انہیں علماء کا پہلا شخص جو سرکندہ
عمل میں آیا احمد اللہ شاہ مدرسی تھا اسکے ہموا کثیر الشعداد علماء اُٹھے جو ایک ایک
دندلیں، تصنیف و تالیف میں لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف سیاست ملک میں
بے رہے تھے۔ ان میں نمایاں شخصیت مولانا امام بخش مہبائی شہید مولانا فضل
خیر آبادی مفتی صدر الدین آزاد لڑکھ نواب شفیقہ، مولوی عظیم اللہ کانپوری، منیر علی
آبادی تھے۔ مگر افسوس کہ ان بزرگوں کے سیاسی حالات تذکرہ نویسوں نے چشم پوشی
(عہد کے چند علماء و مفتی انتظام اللہ شاہی)

جوش و ہا بیت

اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ ان بزرگان دین کی کردار کشی میں
اختلاف کو بہت بڑا دخل تھا۔ چنانچہ جناب رئیس احمد جعفری

مقام پر بطور وضاحت ان جانبدار مصنفین مؤرخین کے بیدار دماغ رویہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مولانا (جعفر تقی پٹری) نے سب کچھ لکھا ہے لیکن رفقاؤ زندان کے ذکر سے بالکل
گریز کیا ہے حالانکہ اس دور میں چوٹی کے مسلمان انکے ساتھ کالے پانی میں اسلام
زندگی بڑے استقلال و وقار کیساتھ بسر کر رہے تھے۔ حتیٰ بات یہ ہے کہ مولانا
پر "انا" اور تحریک و ہا بیت کا جوش اس قدر نمایاں اور غالب تھا کہ وہ اپنے اور اپنی تحریک
کے سوا کسی اور چیز کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے (بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ص ۱۳۱)

فرمایے کہ جہاں انسانیت اور خود غرضی، تعصب و تنگ نظری کا یہ عالم ہو۔ اور جن لوگوں
کو ہندوئی اس انتہا کو پہنچ چکی ہو ان سے اور انکے معلمین سے کسی مورخانہ دیانتداری کی کیا توقع
کلی ہے۔ چنانچہ جناب رئیس ہی فرماتے ہیں۔

عزیز نے محمود خاں کا نام "نامحود" اسی طرح شمس العلماء مفتی ذکا اللہ
مہت خاں کو "کم نجت خاں" کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتے ہیں لیکن یہ بھول
جاتے ہیں شکستہ کے الفاظ میں گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی یاد کرو گلاب کا پھول
(بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ص ۱۲۵)

بیدار دماغ اور تحریر

جناب رئیس احمد صاحب جعفری نے ان صاحبان بیعت و علم کے
معاذ اللہ انداز کی ایک توجیہ بھی فرمائی ہے جس سے کم از کم یہ ناجسیر
نہیں کر سکتا۔ جناب رئیس فرماتے ہیں۔

بہت خاں اور مولانا خیر آبادی کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث، کارناموں
اور سرگرمیوں کی تفصیل معلوم کرنا آسان نہ تھا۔ ان کا ذکر عام دہشت اور سر اسیمکی کے
باعث اُنکے مدراج اور ثنا خاں بھی ڈر ڈر کر اور چبا چبا کر کرتے ہیں۔
آج ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ خدرا کا ذکر بھی کتنا روح فرسا تھا اور ان شخصیتوں کا تذکرہ
جنسوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا اگر بڑوں
کی نازک دماغی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور ذرا ذرا اسی بات پر اور معمولی شے
پر جو رستم کی بارش شروع کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اکابر کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔
اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں۔

کتاب مذکور ص ۸۳۵

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنگ آزادی کے اس خونچکا دور میں عظمت کے ان
مردمباروں کا ذکر مصائب و الم کا ایک پہاڑ توڑ سکتا تھا۔

مگر یہی بات مجاہدین آزادی کی عظمت و بڑائی کا نشان بن جاتی ہے۔ جنکے ذکر سے استعماری
اور رزاقی مقلدیں۔ جنکے نام سے گوردوں کے مزاج برہم ہو جاتے تھے۔ جن کی قد آور شخصیتوں کے

منہ ہمارے کی چوٹیاں پست نظر آتی تھیں۔ جنکے عزم و جدوجہد کے سامنے سمندر پار کی مللیں ہلاکتیں
ایسے لوگوں کو فرنگی اور انکے ساری مملکت میں بیٹھنے والے حاشیہ نشین کس طرح پسند کر سکتے تھے
ان مصنفین کیلئے کیا ضروری تھا کہ ان کا استغناء ہی کرتے اور انکی توفیق و تامل کو ہلکا سا
نجات بناتے مگر پھر اسی ایسا کرتے تو سید احمد سے خاں کس طرح کہلاتے۔ منشی ذکا و اللہ
سے العلماء مفتی ذکا و اللہ کیسے بنتے و ملائف کس طرح ملتے۔ جاگیریں کس صلہ میں حاصل ہوتیں
حیرت تو یہ ہے کہ آزادی کے اس دور میں بھی انہیں سفارت کی ذریعات کا ایک طبقہ
پاتی اختلاف کی وجہ سے تاریخ سے ہولناک بددیانتی کر رہا ہے۔

اس کے باوجود روشنی پھیل رہی ہے۔ اور پھیلتی رہے گی تا آنکہ افق افق اجالا پھیل جائے گا
میں بیسویں صدی میں ان تحریکات اور حوادث و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس دور کے حالات
وں کے متعلق اچھی رائے قائم نہیں کر پاتے۔
یہاں اسکے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ۔

کبھی تولائے گی باد صاپیم ترا ہوا کے رخ پر نشیمن بنائے بیٹھے ہیں

ابن عید الوہاب اور برطانوی جاسوس ہمفرے

زیر قلم کتاب پاک دہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علماء حق مکمل ہو چکی تھی کہ "ہمفرے کے اقوال و
ابن جناب مولانا محمد انصاری صاحب اشرفی کی مصاطت سے نظر سے گزری اور کتاب میں مزید
باب کا اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ میں نے اپنی کتاب "پاک دہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علماء حق" میں
شواہد کیساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ "نجد کی وہابی تحریک" برصغیر کی تحریک جہاد یا دوسرے لفظوں
کی تحریک "مشرق وسطیٰ کی صیہونی اور بھائی تحریک اور اسی قسم کی دوسری تحریکیں اسلام کے
مبتدائی خوفناک اور گھناؤنی سازشیں تھیں جو انکے واقع ہونے سے بھی ساہا سال پہلے ایک
سودے کے تحت مسلم علاقوں کو غیر مسلموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

مثلاً مدینہ یہودیوں کو، اسکندریہ عیسائیوں کو، یزد پارسیوں کو، عمارہ مسابینوں کو، کرمان شاہ ملی
کو، موصل یزیدیوں کو، اور بوشہر سمیت خلیج فارس کے قرب و جوار کے علاقے ہندوؤں کو

اور وسطیٰ خوارج کے حوالے کرنا۔ یہی نہیں بلکہ مادی امداد، جنگی ساز و سامان اور فوجی اور
مالیاتی کے ذریعے انہیں مضبوط بنانا بھی ضروری ہے (ہمفرے کے اعترافات ص ۱۱۱)

ابن عید الوہاب کو ان مختصر ایہ کہ ہمفرے برطانوی سامراج کا ایک منجھوا جاسوس تھا اسکو اور اس
کا ہمارا افراد کو گرفتار برطانیہ اور اسکے ساتھ ہی دیگر استعماری قوتوں مثلاً روس فرانس وغیرہ نے نو
کے عالم کرنے اور انکو استعمار عطا کرنے کیلئے بطور خاص تیار کیا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے
بعد انہوں نے ہمفرے کی یادداشتوں کو "اسپیگل" نامی رسالہ میں شائع کرنا شروع کیا پھر
انہوں نے ان میں یہ یادداشتیں شائع ہوئیں اسکے بعد ایک لبنانی دانشور نے عربی میں اس کا ترجمہ
کے نام سے ہمفرے کے "اعترافات" کے نام سے اردو میں (انجمن نوجوانان پاکستان گارڈن ٹاؤن
لاہور) شائع کیا ہے (کتاب پڑھنے سے جہاں سامراجی قوتوں کی درندگی و خوار آشی، فریب کاریوں
اور ہماروں کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم
علاقوں میں بددینی و خلفشار پیدا کرتے تھے اور یہ کہ یہ لوگ کس طرح اسی ملک کے مقتدر لوگوں کو اپنی
مصلحتوں کیلئے استعمال کرتے تھے۔ بلکہ اب بھی کر رہے ہیں۔

ابن عید الوہاب کی کہانی ہمفرے کی زبانی ۱۔ یوں تو ابن عبد الوہاب کی کہانی طویل ہی نہیں بلکہ طویل
اور اسے سلف و خلف نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور اسکی فطرت و جبلت اور اسکی خون ریزی
و طاقتوں کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ مگر اس برصغیر میں جہاں مرزا قادیانی کوئی
نکتہ میں کوئی الجھن محسوس نہیں کی گئی وہیں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بدنام زمانہ انگریزوں کے ایجنٹ
ابن عبد الوہاب کو امام تک کہنے سے ذرا بھی نہیں جھجکتے۔ انہیں ابن عبد الوہاب کی ہر ادا ایمان افروز اور
طرح پرورد اور شرع محمدی میں شر اور نظر آتی ہے۔

ابن جناب مسعود عالم صاحب ندوی اپنی کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک میں لکھتے ہیں (نجد
الحدیث کے علمبردار شیخ الاسلام محمد ابن عبد الوہاب کی نسبت کرنا ہو تو محمدی کہنا چاہئے۔۔۔ البتہ عزم و عمل
کے وہ قوت کو بیدار کیا، میجان پیکروں میں زندگی کی حرارت ڈال دی اور پورے خطے کو اسلامی رنگ
کی طرف راہ کر دیا یہ ایسا گناہ ہے جسے شاعرانہ فرنگ اور انکے ہوا خواہ معاف نہیں کر سکتے۔ (ہندوستان
کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۱۱)

اور اب آپ دیکھیں گے انکے شیخ الاسلام کس قماش کے شیخ تھے۔ اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ انگریزوں کا ہمنوار ہوا خواہ کون تھا۔ اور کن لوگوں کے ساتھ انگریزوں کی گاڑھی چھپتی تھی اور وہ لوگ ہیں جنکے آباد اجداد (یعنی سید احمد بریلوی، مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ وغیرہ) نے مسلمانوں پر انگریزوں کو ترجیح دی اور انھیں کے متبعین و مقلدین نے قیام پاکستان کیوقت مسلمانوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی تھی۔ ہمفرے لکھتا ہے کہ بصرہ میں ران دنوں میں ترکھان کی دوکان پر کام کرتا تھا۔ ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو وہاں آتا جاتا رہتا تھا اور ترکی، فارسی، عربی زبانوں میں گوشتا تھا وہ ایک اونچا اڑنیوالا، ایک جاہ طلب اور نہایت غصیلہ انسان تھا۔ ... شیخ محمد کے لکھے صنفی، شافعی، حنبلی، مالکی مکاتب فکر میں سے کسی مکتب کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی وہ کہتا تھا کہ جو کچھ قرآن میں کہ دیا ہے بس یہی ہمارے لئے کافی ہے (ہمفرے کے اعترافات انگریزوں کے مقاصد کی تکمیل کیلئے مناسب شخصیت)۔ (محمد بن عبد الوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اسکی اونچا اڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، غرور، غلامی و مشائخ اسلام سے اسکی دشمنی اس حد تک خود سری کہ خلفاء راشدین بھی اسکی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن و حدیث سے استنادہ اسکی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ... شیخ محمد ابن عبد الوہاب ابو حنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور اسے ناقابل اعتبار سمجھتا تھا۔ محمد کہتا تھا میں ابو حنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں اسکا دعویٰ تھا کہ نصف صبح نماز باکمال لچر اور میوہ دہ ہے۔ (اعترافات ص ۵۷)

بن عبد الوہاب کی متعہ بازی (عجیب بات یہ ہے کہ ابن عبد الوہاب جسے شیخ الاسلام کا خطاب دیتے ہوئے، کچھ لوگوں کی زبانیں نہیں تھکتی ایک برطانوی جاسوس سے بار بار علمی مباحثہ چھیڑا جاتا ہے اور متعہ پر راضی ہی نہیں ہوتا بلکہ اسکا عملی مظاہرہ بھی کرتا ہے۔ اب یہاں اسکے علاوہ لیا کہا جاسکتا ہے کہ عروج و زوال نیست لعنت بر دلی۔ ہمفرے لکھتا ہے کہ

جب شیخ متعہ کرنے پر راضی ہو گیا تو اس گفتگو کے فوراً بعد میں اس بد قماش نصرانی کو پاس لیا گیا جو انگلستان کے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی طرف سے بصرہ میں مصمت فرمایا

میں اور مسلم نوجوانوں کو بے راہ روی پر ابھارتی تھی۔ میں نے اس سے تمام واقعات بیان کئے اور اسے بھیجی تو میں نے اس کا عاضی نام رکھا۔ اور کہا کہ میں شیخ کو لیکر اسکے پاس آؤں گا۔ مقررہ دن پہنچا محمد کو لیکر صفیہ کے گھر پہنچا ہم دونوں کے صواوہاں اور کوئی نہیں تھا محمد نے ایک اشرفی ایک ہفتہ کیلئے صفیہ سے عقد کیا مختصر یہ کہ میں باہر اور صفیہ اندر سے محمد بن عبد الوہاب کو اپنے گھر کے پر درگاہوں کیلئے تیار کر رہے تھے صفیہ نے احکام دین کی پامالی اور آزادی رائے کا پرکھتے مزہ اٹھایا تھا۔ (ہمفرے کے اعترافات ص ۵۵)

اب عبد الوہاب کی شراب نوشی اور یہاں شراب کے بارے میں بھی ہمفرے اور کچھ لوگوں کے شیخ محمد کی بحث ہوتی رہی بالآخر ابن عبد الوہاب پانی ملا کر شراب پینے کی حلت پر راضی ہو گیا ہمفرے نے اس نے شراب سے متعلق گفتگو کو صفیہ کے گوش گزار کیا اور اسے تاکید کی کہ موقع ملے ہی محمد کو نشانہ دے کر وہ اور جتنا ہو سکے شراب پلاؤ۔ دوسرے دن صفیہ نے مجھے اطلاع دی کہ اس نے شیخ کیساتھ شراب نوشی کی یہاں تک کہ وہ آپ سے باہر ہو گیا اور چھٹے چلانے لگا۔ رات کی آخری گھڑی کو گھر میں نے اس سے مقابرت کی اور اب اس پر نقاہت کا عالم طاری ہے اور چہرے کی آب و تاب گم ہو چکی ہے خلاصہ کلام یہ کہ میں ابو صفیہ پوری طرح محمد پر چھاپکے تھے۔ اس منزل پر مجھے نوآبادیاتی حکمرانوں کے وزیر کی وہ سنہری بات یاد آئی جو اس نے مجھے الوداع کہتے وقت کہی تھی اس نے کہا تھا ہم نے اس کی گماندہ مراد اہل اسلام ہیں) سے شراب اور جوٹے کے ذریعے دوبارہ حاصل کیا اب انھیں طاقتوں کے ذریعے دوسرے علاقوں کو بھی پامردی کیساتھ لینا ہے۔ (کتاب مذکور ص ۵۷)

اب عبد الوہاب کی نماز بھی گئی، اور یہودی رڑکی اس سے متعہ آمارک الصلوٰۃ متعہ باز شیخ الاسلام، شراب نوشی اور متعہ بازی بھی زنا کاری کا جو نتیجہ نکلتا تھا وہ نکل کے رہا چنانچہ ہمفرے لکھتا ہے (جبکہ نتیجہ یہ نکلا کہ اسے نماز کی پابندی چھوٹ گئی اب وہ کبھی نماز پڑھتا اور کبھی نہ پڑھتا خاص طور سے صبح کی نماز پڑھنے سے ترک ہی کر دی تھی ص ۵۷)

ہمفرے لکھتا ہے میں نجف اشرف اور کربلا وغیرہ سے جب بصرہ پہنچا تو وہ (ترکی جانے پر بعد نماز) جاکر اس شہر کے باسے میں معلومات کرے میں نے بڑی سختی سے اسے اس صفر سے باز رکھا کہ وہ اسے ڈر ہے کہ تم دہاں جاکر کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دیتے جو جس سے تم پر کفر والہا کا الزام عائد ہو

اور تبار خون رائگاں جاوے۔ لیکن سچی بات یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جا کر وہ خطرہ
سے کوئی رابطہ قائم کرے کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ لوگ اپنی حکم دہلیوں کی
دوبارہ اسے اپنے جہاں میں نہ پھانس لیں (مش ۱۱)

بالآخر ہمبرے نے ابن عبدالوہاب کو مصنفان جانے پر راضی کر لیا اور اسکے ساتھ ہی کو
ایک گھوڑا بھی دیا۔ اسکے ساتھ ہی صفیہ بھی کچھ عرصہ بعد مصنفان آئی اور اس نے مزید دو گھوڑے
سے متعلق شیرازہ کے سفر میں وہ اسکے ساتھ نہیں تھے بلکہ عبدالکریم (جو ایک برطانوی جاسوس تھا) کے
ساتھ رکھا ہوا تھا شیرازہ میں عبدالکریم نے شیخ کیلئے صفیہ سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی کا
تھا۔ اور وہ شیرازہ کے ایک یہودی خاندان کی حسین و جمیل لڑکی تھی جس کا نام آسیہ تھا۔
انگریزوں کا مناسب ترین ایجنٹ ابن عبدالوہاب۔ ہمبرے لکھتا ہے (محمد پر تبصرہ) کہ
وزارت کا سب سے اہم مسئلہ تھا اس نے بڑی شدت سے تاکید کی تھی کہ میں محمد کو ایک منظم منصوبہ
تحت ان امور سے آگاہ کروں جنہیں آئندہ چل کر اسے ہمارے لئے انجام دینا ہے وہ بار بار اس
اعتراف کر رہا تھا کہ عظیم برطانیہ کیلئے میری تمام خدمات شیخ محمد جیسے شخص کی جستجو اور اس
قائم کرنے کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہیں (مش ۱۲) پھر کچھ آگے چل کر ہمبرے لکھتا ہے کہ
صرف اس مقصد کیلئے تھا کہ محمد ابن عبدالوہاب کو نئے دین کے اظہار کی دعوت پر آمادہ کروں
(سکرٹری کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ محمد ابن عبدالوہاب قابل بھروسہ اور نوآبادیاتی
کی وزارت کے پردگروں کو رد عمل لانے کیلئے مناسب ترین آدمی ہے۔ اسکے بعد سکرٹری نے
گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہمیں محمد کیساتھ بالکل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں گفتگو کرنی
کیونکہ ہمارے عمائد مصنفان میں اس سے بڑی طرح کیساتھ پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں اور وہ
باتوں کو مان چکا ہے۔ مگر اس شرط کیساتھ کہ اسے عثمانی حکومت کے مقامی عمائد و علماء اور
لوگوں کے ہاتھوں آئندہ خطرات سے بچا لیا جائے۔ اور اسکی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام
... حکومت برطانیہ نے شیخ محمد ابن عبدالوہاب کو اسلحے سے اچھی طرح یوں کرنے کے بعد
کے موقع پر اسکی مدد کی تائید کی تھی اور شیخ کی مرضی کے مطابق جزیرہ العرب میں واقع نجد کے
قریب علاقے کو اسکی حاکمیت کا پہلا مقام قرار دیا تھا (مش ۱۳)

۱) ابن عبدالوہاب کے چھ خطرناک نکات اور ابن عبدالوہاب ۱۔ ہمبرے کے اعتراضات کے مطابق نوآبادیاتی وزارت
۲) ابن عبدالوہاب کیلئے چھ نکات مرتب کئے تھے جن پر ابن عبدالوہاب کو بہر صورت عمل کرنا تھا اور یقیناً
۳) ابن عبدالوہاب نے عمائد ثابت کر دیا کہ وہ قابل بھروسہ ہے اور وہ انگریزوں کے مقرر کردہ ہفت پرہیز حال پورا
۴) وہ چھ نکات حسب ذیل ہیں۔

۱) ابن عبدالوہاب کے (مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنیوالے مسلمانوں کی تکفیر اور انکے
۲) عزت اور آبروی بربادی کی رو سمجھنا، اس ضمن میں گرفتار کئے جانے والے مخالفین کو بدوہ فردوسی کی تائید
۳) حکومت کی حیثیت سے پہچنا۔

۴) بہت پرستی کے بہانے بصورت امکان خانہ کعبہ کا ہندام اور مسلمانوں کو فریضہ حج سے روکنا اور
۵) جہاں کے جان و مال کی غارت گری پر قبائل عرب کو اکسانا۔

۶) عرب قبائل کو عثمانی خلیفہ کے احکامات سے سرتابی کی ترغیب دینا۔ اور نافرمان لوگوں کو ان کے
۷) ملک جنگ پر آمادہ کرنا۔ اس کام کیلئے ایک ہتھیار بند فوج کی تشکیل، اشراف مجاز کے احترام اور فروغ
۸) کیلئے انہیں ہر ممکن طریقے سے پریشانیوں میں مبتلا کرنا۔

۹) بغیر اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) انکے جانشینوں اور کلمی طوطی پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں
۱۰) کی اہانت کا سہارا لیکر اور اسی طرح شرک و بت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ اور
۱۱) مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔

۱۲) جہاں تک ممکن ہو سکے اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد شورش اور بد امنی کا پھیلاؤ۔

۱۳) قسطنطنیہ میں کمی بیشی پر شاید احادیث و روایات کی رو سے ایک جدید قرآن کی نشر و اشاعت
۱۴) (مش ۱۴) تقریباً ان چھ نکات کی تکمیل کے بعد گورنمنٹ برطانیہ نے سوچا کہ اب سیاسی اعتبار

۱۵) سے بھی جزیرہ العرب میں کوئی کام ہونا چاہئے یہی وجہ تھی کہ اپنے عمائد میں سے محمد ابن سعود کو محمد

۱۶) ابن عبدالوہاب کیساتھ اشتراک عمل پر مامور کیا (مش ۱۵) پھر کیا ہوا یہ ایک انتہائی دردناک

۱۷) داستان ہے۔ پورا جزیرہ العرب خون سے لبریز ہو گیا اور وزارت و مقابر ہمالی کر دیئے گئے۔

۱۸) بزدگان دین نے نہایت بسط کیساتھ بیان کیا ہے۔ اور ہم نے اپنی اسی کتاب "پاک دہند کی چند

۱۹) اسلامی تحریکیں اور علمائے حق" میں کافی حد تک ان مسائل کی وضاحت کی ہے۔

جہاد اور جہادی

جناب سید احمد بریلوی اور انکی تحریک جہاد اور انکے مجاہدین کے بارے میں جہاد تک اور واقعات کا تعلق ہے ان میں حقائق کم اور افسانے زیادہ ہیں۔ ان جہادی شخصیات پر جو رد و جواب مقالے اور کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں انکے بیشتر واقعات کو زیب داستان سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔

آج اس دور میں جب پروپگنڈے اور نشر و اشاعت کے زور پر جناب مودودی صاحب قیام پاکستان میں قائد اعظم کے شریک سفر کہلا سکتے ہیں۔ اور انکی جماعت پاکستان کی صوبہ بڑی جماعت کہلا سکتی ہے۔ اور اسی پاکستان میں جسکے قیام کی سخت ترین مخالفت کو مولانا محمد جیسے لوگوں کیلئے "پاکستان کے قائد اعظم مفتی اعظم مفتی اعظم" کے نعرے لگ سکتے ہیں اور جناب حسین احمد مدنی جیسے پاکستان دشمن لوگوں کیلئے پاکستانی ادارہ نشریات سے مدد مل سکتی ہو سکتی ہے۔ اور اس ارض پاک کا نمک پانی کھاپی کر "روشن مستقبل" جیسی گمراہ کن کتاب شائع کی جاسکتی ہیں۔ تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

پروپگنڈے کی خوفناک کہانی محمد علی قصوری کی زبانی

پڑھے لکھے لوگوں کیلئے مولانا محمد علی قصوری کی غیر محدود شخصیت نہیں ہیں مولوی ہونے کیساتھ ساتھ وہ کیمبرج کے تعلیم یافتہ تھے۔ اور خود بعد کے مجاہدین میں شامل تھے اسلئے انکی کہی ہوئی بات بڑی حد تک وقعت و اہمیت مہتی ہے۔ پروپگنڈے کی کہانی انکی کتاب "مشاہدات کا بل ویاغستان" میں صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۱ تک لکھی گئی ہے جسکے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ کریں کہ یہ دینی اور مذہبی لوگ اس باب میں کہاں تک جا پہنچے ہیں۔

انگو جماعت مجاہدین کا مرکز مردہ ہو چکا تھا مگر اسکے پروپگنڈے کا نظام اب تک بہت وسیع اور فعال تھا جسکا نتیجہ یہ تھا کہ سیدھے سادے مسلمان جنہیں کتاب و سنت کیساتھ عشق ہوتا تھا اسلئے پروپگنڈے کا آسانی سے شکار ہوتے تھے صفحہ ۱۱۹

جماعت مجاہدین کے نموسمین نے شروع سے جماعت کے قیام و بقا کیلئے ایسا منظم سسٹم بنایا تھا کہ انگریزوں کا تشدد اور غدر کے مقدمات بھی اس نظام کو نہ توڑ سکے۔ چنانچہ ہندوستان میں جگہ جگہ مختلف ادارے تھے جو بظاہر تعلیمی مشاغل میں منہمک تھے اور مدرسوں کے اور خیراتی اداروں کے ذریعہ کافی رقم جمع کرتے تھے۔ اس رقم کا ایک معتد بہ حصہ سرحد پار امیر المجاہدین کے پاس جہاد کیلئے پہنچ جاتا تھا صفحہ ۱۱۹۔

مگر تعجب یہ ہے کہ باوجود اس قدر امین اور بے غرض ہونے کے وہ جماعت کیلئے حیرت انگیز جھوٹا پروپگنڈہ کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسان اضداد کا پتلا ہے۔ یہ تعداد میں نے اکثر بہترین کیونٹ ڈرکروں میں بھی دیکھا ہے۔ اور مجھے حیرت ہوتی ہے ایک بے غرض اشیاء کا پتلا امین دریا نندا شخص کیونکر ایسی جماعت کیلئے بے دریغ جھوٹا پروپگنڈہ کرنے سے نہیں جھجکتا بلکہ اسے عین ثواب سمجھ کر کرتا ہے صفحہ ۱۲۱۔

(مشاہدات کا بل ویاغستان از صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۱)

اسکے بعد بھی ان لوگوں کے غلط پروپگنڈوں کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔ مثلاً یہی کہ میرانام نے گربندوستان پر فوری حملہ کے متعلق بڑا غلط پروپگنڈہ کرتے تھے اور خوب جی بھر کے چنڈہ جمع کرتے تھے۔ ان حضرات کی بلکہ یہی عادت اب بھی ہے دوسرے لوگوں کے خلاف دل کھول کر غلط پروپگنڈہ کرتے ہیں اور حال بھر چنڈہ جمع کرتے رہتے ہیں۔

بہر صورت جو دیوبند پاکستان کا دشمن اول تھا اسکے جشن کے سلسلے میں لاہور کا اسٹیشن سمایا جاسکتا ہے۔ (جبکہ اس کی صدارت بھی اندرا گاندھی نے کی) خصوصی ٹرینیں چلائی جاسکتی ہیں۔ لاہور خاص اجازت نامے مرحمت فرمائے جاسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگر گویم زبان سوز د یہاں تک کہ پروفسر عبدالقیوم صاحب نے اپنے مضمون "تجدید و احیائے ملت" میں تو گویا مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کو پاکستان کا پہلا معصوم قرار دیا ہے۔ فرمائیں

نجد میں امام عبدالوہاب کی کامیابی نے شاہ اسماعیل کی ہمت و جرأت اور کئی جہادی میدان جنگ منتخب ہوا قمر خاں بالا کوٹ کے نام نکلا۔ ہندوستان بھر کے مجاہدین

دہاں جمع ہونے لگے اور اپنے آباد اجراء کے خیالات کے مطابق شاہ اسماعیل نے
میں "پاکستان" یعنی خلافت اسلامیہ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔

(از امتیاز حق ص ۹) (شاہ اسماعیل شہیدؒ)

حالانکہ علمائے دیوبند ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہاں بیان نجد سے شاہ اسماعیل کا تعلق
ہو سکے۔

بہر صورت ان حضرات کی پیش قدمی کا یہی حال رہا تو عنقریب آپ ان مومنین و مومنات
کہتے ہوئے پائینگے کہ "پاکستان" بنایا ہی سید صاحب اور شاہ اسماعیل نے تھا۔ پھر آپ کی طرف
پکے سر پر تو توارشک رہی ہے۔ آپ کا سینہ تو دھنکی گولیوں کے سامنے ہے۔

بالکل اسی طرح جس طرح نظریہ پاکستان کا جھنکا کر دیا گیا تھا۔ اور اوپر سے نیچے تک
نے والے لوگ نہایت مبر و تحمل کیساتھ نظریہ پاکستان کی پامالی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور سید احمد صاحب بریلوی کے متبعین و مقلدین کے کہ
پاکستان کے بارے میں کس سے پوشیدہ نہیں، ہر تاریخ دان یہ جانتا ہے کہ اس ملک
تکھنے والوں نے مسلمانوں پر فزنگیوں کو ترجیح دی تھی۔ اور علمائے دیوبند نے مسلمانوں
کو ترجیح دی ہے۔ پہلے دہلی کی مسلمان کمزور حکومت کو مضبوط کرنا خلافت شریعت اور
تھا۔ اور بعد میں اسلامی حکومت کا قیام و استقلال اس سے کہیں زیادہ غلط اور نادر
کیا تھا۔؟ جو یہ بزرگان دین و ملت سوچتے اور کرتے تھے!

ادوات دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ جہاد میں بھی ان حضرات کے بیان کردہ
احوال و واقعات میں اتنا زبردست تباہی اور تفتاد پایا جاتا ہے کہ کوئی بھی
ی ذہنی خلش میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ یہ مومنین حضرات آج تک یہ فیصلہ
کر سکے کہ سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کے جہاد کا درجہ کدھر تھا۔

اور یہ جہاد انگریزوں سے تھا یا سکھوں سے یا سرحد کی طرف صرف تبلیغی دورہ تھا اور
ان انگریزوں سے پہلے چٹانوں کو کھیل دینا کیوں ضروری تھا؟
یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سلسلے کے بہت سے اہم مسائل میں بعد والوں نے

ان حضرات نے اپنے اسلاف کی، اصاعرین نے اپنے اکابرین کی تلامذہ نے اپنے اساتذہ
کی تعلیم کی ہے جسکی وجہ سے ان حضرات کی تحریریں مشتبہ اور ناقابل قبول ہو جاتی ہیں۔
معاشرے کے معقین نے تحریک جہاد کے باب میں جہاں پہلوں کی تکذیب کی ہے۔ وہیں
کی بنیاد غیر مطلوبہ قلمی نعروں، نایاب دستاویزات اور ایسے مکتوبات پر رکھی ہے جہاں تک
صحافی تقریباً ناممکن ہے۔

اور یہ ہے کہ پہلے تذکرہ نگاروں پر جو قرب زمانہ اور شریک حال ہونگی وجہ سے ماخذ قرار
دیا جاتا ہے۔ ان پر تحریف کا الزام لگایا جا رہا ہے حالانکہ وہی حضرات ان نئے مؤرخین سے
معتد اور ثقہ تھے ان حالات میں دو معاشرے کے سوانح نگاروں کی باتیں کس طرح قابل
اعتبار ہوتی ہیں جبکہ یہ مؤرخین حضرات بھی انھیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ویسے بھی قدیم معتد
کو ہٹانا بڑا غلط رجحان ہے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ آج تک جتنے بھی سید صاحب
پاپ باتیں کے مؤرخین گزرتے ہیں تقریباً سبھوں نے سید صاحب کی عملی کم ناگی اور
کلمے میں عدم رغبتی کا اقرار کیا ہے۔ جناب شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

مولانا سید احمد ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے ان کی ابتدائی زندگی
پردہ راز میں ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ ایام طفلی میں تحصیل علم سے آپ کو رغبت
تھی اور مکتب میں تین چار سال گزارنے کے بعد قرآن مجید کی چند سورتوں کے سوا
آپ کو کچھ یاد نہ ہوا۔

(موج کوثر ص ۱۵)

جوانی میں آپ دہلی تشریف لے گئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس بھیج دیا۔

وہاں آپ نے کچھ عرصہ صرف و نحو پڑھی قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی مطالعہ
کیا۔ لیکن پڑھنے لکھنے میں کوئی نمایاں ترقی نہ کی
(حوالہ مذکور)

جب آپ کی عمر سال کی ہوئی تو شرفاء کے دستور کے مطابق آپ مکتب میں پڑھنے لگے۔ لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپ کی طبیعت خاندان کے اور بزرگوں اور اہل علم کے برخلاف علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کی عیبت کرتے۔ تین سال مکتب میں گزر گئے اور باوجود استاد کی توجہ و شفقت اس کی تائید و فہمائش کے صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں اور مفرد کتب لکھا دیکھنا سیکھ گئے۔

سیرت سید احمد شہید ص ۹۹ جلد اول

اور اب مرزا حیرت کی بھی سنتے۔

کریم کا پہلا مصرعہ خاصا دعائیہ ہے مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہو گیا اس پر بھی کبھی کریم بھول گئے تو کبھی سر حال ناگوار سے مخمور دیا۔ ... : میاں می نے جتہرا سر پٹکا اور مخزن پکی کی بزرگ سید کے کان پر چل بھی نہیں رہی تھی۔ (حیات طیبہ ج ۲ ص ۳۳۶)

مگر مسلمانوں کا روشن مستقبل کے عظیم مصنف جناب سید طفیل منگلوری ایک اور ہی داستان سناتے ہیں۔

سید صاحب بہت ذہین تھے اور انکی علمی ترقی کی رفتار بہت تیز تھی۔ مگر ان میں روحانیت بڑھی ہوئی تھی اس لئے درس چھوڑ کر انھیں طریقت کی تعلیم دی گئی۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۲۷)

وچنا صرف یہ ہے کہ کیا یہ بھی کوئی ایسا مسئلہ تھا جس میں اختلاف رائے ہوتا۔ ان سوالوں کے پیش نظر جہاں تک ایک قاری سمجھ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مصنف نے جو سمجھ میں آیا لکھ دیا۔ حقیقت حال کیا ہے؟ اسکو سمجھنے پر لکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

پھر یہ کہ دیگر مسائل کی طرح ان حضرات نے تاریخ میں بھی "قانون ضرورت" کو ترجیح دی ہے۔ جب ضرورت تھی کہ یہ کہا جائے کہ مسکوں سے جنگ تھی تو کہہ دیا گیا کہ ان لابیوں والے

جنگ تھی۔ اور جب سکھ بھی ہندوں کی طرح براہ ران وطن بن گئے۔ اور انگریزوں سے عین جنگ انگریزوں سے تھی۔ سکھوں کا نام بلا وجہ درج کر دیا گیا ہے۔ اور اسے زیادہ کاڑھا گیا ہے۔ مرموزہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے یعنی سکھ بول کر انگریز مراد تھی۔ اللہ ونا لیدرجون ہوتے ہیں باب میں ہمارا موقف غیر مبہم اور نقطہ نظر واضح ہے کہ سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کی طرف پر "وہابی اسٹیٹ" کا قیام تھا جسکی تائید سید صاحب کے مؤرخین بھی فرماتے ہیں حتیٰ کہ انگریزوں سے انھوں نے ایک دن بھی جنگ نہیں کی (جسکا تفصیلی جائزہ آگے آرہا ہے)

سکھوں سے بھی بامر مجبوری جنگ ہوئی۔ البتہ شروع سے آخر تک سرحدی پٹھانوں پر بدعت اور ان کے فتوے لگاتے رہے اور ان سے جنگ و جدال بنام جہاد کرتے رہے۔ اور غیور پٹھانوں کی قوت اور ہتھیاروں کے زور پر زبردستی نکاح کا شوق پورا فرماتے رہے۔

مولوی اسماعیل کا عزم خونریزی | سرحدی مسلمانوں کے لئے مولوی اسماعیل کے عزائم انتہائی خطرناک تھے۔ ان کے مؤرخین کے بقول وہ کھلی اور سنگی لکھتے تھے۔ مگر سید صاحب کی مصلحت اندیشی آڑے آئی تھی۔ بابوں کہہ لیں کہ سید صاحب کی فوج کے لوگ تھے جسکی وجہ سے مولوی اسماعیل کھلم کھلا اپنے عزائم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے۔ اسکا طفیل منگلوری لکھتے ہیں۔

واقعیہ یہ ہے کہ وہ جماعت مختلف اور متضاد گروہوں سے مرکب تھی جنہیں متحد رکھنے میں وہ مدت العزم مصاعی ہے ان میں سے ایک گروہ کے سرور مولوی عبدالحی اور مولوی کریم علی جو پوری تھے جو اہلسنت کا طریقہ رکھتے تھے اور دوسرے گروہ کے سرور مولوی اسماعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہِ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے خود سید صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر ساتھ مولوی اسماعیل کی جماعت کی سرپرستی کرتے تھے جو اپنے کو محمدی کہتے تھے۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۲۸)

مولوی اسماعیل دہلوی کے خوفناک عزائم کا پتہ اس خط سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے جو انہوں نے ہماری الاول ص ۱۲۸ میں سید صاحب کو ایک تفتیش کے سلسلے میں لکھا تھا۔ یہاں مکتوبات میر تقی میر

سے اسکے ترجمے کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو سخاوت مرزا نے کیا ہے۔

میں نے ایک پرچہ لکھ کر خدمت عالی میں ارسال کر دیا ہے جو اللہ نے چاہا تو جناب کے سامنے سے گزرے گا لیکن اس موقع پر ذرا تامل سے کام لینا چاہئے کیونکہ یہاں دو معاملے درپیش ہیں ایک تو مفسدوں اور مخالفین کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے دوسرے یہ کہ اسکا آیا کوئی موجب ہے یا کچھ اور ہے۔ جبکہ بعض اشخاص کے مقابل میں انکا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اسکا کوئی اور موجب اگرچہ کہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی یعنی تحقیق و تفتیش کرنا ہے۔ کیونکہ ہم ان فقہ پروردگار کوئی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں اور انکو اہل کتاب کافروں کے مثل جانتے ہیں۔

مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۱

عبارت کی پیچیدگی کے باوجود یہ بات واضح طریقہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے کفر و ارتداد کا شک و شبہ نہیں اور قتل و خون ریزی کے جواز میں کوئی تامل نہیں۔ تامل صرف اس بات میں ہے کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے جنکی وجہ سے ان کے اندر متابعت سے اعراض کی جرأت پیدا ہو گئی ان کا ارتداد اور انکا کافر ہونا ثابت ہے انکو قتل کیا جاسکتا ہے اور ان کے مال و متاع کو لوٹا جاسکتا ہے۔

اب دہا آسمان زلی کا معاملہ تو اس کا واقعہ یہ ہے کہ پشاور کے سرداروں کے ممالک میں اس میں کوئی شک نہیں کہ طرح طرح کا ظلم، فسق و فجور اور جاہلیت کی رسیں رائج تھیں جو لوٹک جو جوی اور ایسی ہر مملکت میں جہاں ایسی فتنہ پردازیاں ہوں تو اس ملک پر شک و گمانی کرنا امام کیلئے جائز ہے اور اس سلطنت کو درہم برہم کر دینا ثواب کا کام ہے۔

مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۲

مولوی اسماعیل صاحب کا رویہ ابتداء ہی سے انتہائی جارحانہ رہا ہے اور اس کی دلیل ان کی کتاب تقویۃ الایمان ہے جس میں دینا کے کسی فرد کو صاحب ایمان نہیں کہتے دیا گیا ہے (تفصیل آرہی ہے)

ایہوں کی کہانی کنہیا لعل کی زبانی | سچ یہ ہے کہ اس دور میں جسے جدید مورخین دور اول کا نام دیتے ہیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا

جو ہم کو کہ سید صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے جنگ کی ہو۔ اس باب میں اصل کی بات قدرے واضح ہے۔

(تاریخ پنجاب مصنفہ کنہیا لعل ص ۱۸۸) وہ اپنی اس کتاب میں واقعات جہاد بیان کرتے ہوئے

سید صاحب نے پشاور پرورش کی سردار محمد خان نے بحالت ناچاری اسکی اطاعت قبول کی اور اس نے اپنا عمل دخل پشاور میں کر کے سردار سلطان محمد خان کو اپنی نہایت پر مقرر کیا اور قاضی مفتی دہاوی مذہب کے شہر میں مامور کر دیئے یہ سید احمد سرکردہ فرقہ دہاوی کا تھا اور اس سے اول یہ ہندوستان سے باتفاق مولوی محمد اسماعیل کے عرب کو گیا اور علاقہ ہند میں رہ کر دہاوی مذہب کی تعلیم پائی۔ پھر یہ ہندوستان میں آیا اور چاہا کہ بوسیہ جہاد کے جمع جمع کر کے کسی علاقہ کی ریاست حاصل کرے اس ارادے پر اس نے بہت روپیہ جمع کیا اور قریب چار ہزار جہادی لوگ مجتمع کر کے پہاڑ پہاڑ ہو کر پشاور کے علاقہ میں سر نکلا۔ بظاہر اس کا اظہار تھا کہ میں کفار سے جنگ کر کے مسلمان دین کو پھیلا یا چاہتا ہوں چنانچہ اس نے پشاور فتح کر کے بہت جمعیت اپنے ساتھ کر لی علاقہ یوسف زئی کے پٹھان ہی اس کے ساتھ بے شمار شامل ہو گئے تھے۔

(تاریخ پنجاب ص ۲۲۳)

یہ شخص کلکتہ کو گیا اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر خانہ کعبہ کو گیا اور وہاں نجد کے

دہاوی علماء بہت آئے ہوئے تھے ان سے اس کی ملاقات ہوئی اور وہ یہاں تک اس پر قاب آئے کہ اپنے مذہب میں اسکو ملا لیا۔ اور اس نے بھی اپنے تمام ہمراہوں کو اس مذہب کی پابندی میں داخل کر لیا۔ اور وہاں سے پکا دہاوی ہو کر پھر ہندوستان میں آیا۔ اور شہر رکھا کہ میں جہاد کرنے پر مستعد ہوں ہر ایک علماء کو چاہئے کہ مال و جان سے میری امداد

کے۔ ہر ایک مسلمان رئیس کے پاس یہ خود گیا اور ذکر کثیر بہ بہانہ جہاد وصول کیا۔
سے مسلمان جان دینے کیلئے اسکے ساتھ ہو گئے۔

چونکہ اصل مقصد اسکا یہ تھا کہ کسی بے انتظام علاقہ میں جا کر ریاست حاصل کرے اور وہاں
ملک بنجائے احوال یہ گوشت اس نے اپنی خواہش کے مطابق پایا اور پیار کے واسطے
پشاور کے علاقہ میں آپہنچا۔

(تاریخ پنجاب ص ۳۲۷)

اسکے بعد سکھوں کی فوج پشاور پہنچی تو یہ پشاور خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ سکھوں کی
کی فوج پشاور میں رہی مگر سید صاحب اور اسکے غازی بلندو بالا پہاڑوں سے نیچے نہیں آئے۔
جب سکھوں کی فوج واپس ہو گئی تو۔

سید احمد جہادی نے پھر پشاور کا میدان خالی پایا فی الفور یوسف زئیوں کے علاقہ سے نکل کر
پریورش کی سلطان محمد کے پاس اپنی ذاتی فوج بہت کم تھی اس نے اطاعت مان لی تو سید
اپنی مراد کو پہنچ گیا تمام علاقہ میں اپنے کاردار پہنچوائے۔ سردار سلطان محمد خیال کو اپنی نیابت
عطا کی اور خون انتظام عرصہ دو ماہ کے بارادہ فراہمی فوج یوسف زئیوں کی طرف چلا۔ مگر
دہاں جا کر اسکی تدبیر مخالفت پڑی کہ اس نے بیباک ہو کر مختلف مذہب اہلسنت و جماعت
تمام لوگوں کو اپنے دہلیہ مذہب میں داخل کرنا چاہا اور ہر ملامبر پر بیٹھ کر وعظ کیا کہ کوئی مسلمان
کسی مقبرہ پر نہ جائے اسکو وسیلہ پڑ کو دھانا مانگے اور اپنے بڑے بزرگوں کی ارواح کو
کچھ نہ دیوے انکو ہرگز نہیں پہنچتا۔

یہ سائل جب اپنے مذہب کے برخلاف لوگوں نے سنے تو حیران رہ گئے اور ملاؤں سے حال
دریافت کیا چونکہ ملاں لوگوں کا اس میں کمال نقصان تھا انہوں نے مل کر تمام علاقہ کو سید
کا دشمن بنادیا۔

علاوہ اسکے مشائخ، بزرگ، عابد و خدا پرست لوگ اس علاقہ کے سید احمد کے ایسے جانی دشمن
بنے کہ اسکے حق میں کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ یہ سید احمد دہلی اولیا کی کرامت کا منکر ہے
آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ یوسف زئیوں نے اس کو بزدل و شمشیر اپنے علاقہ سے نکال دیا۔

اسکی صورت سے جیسا کہ ہو گئے۔ جب یہ حال پشاور میں مشہور ہوا تو شہر والوں نے
اکم کر کے اسکے اہلکار شہر سے باہر کر دیے۔

تاریخ پنجاب ص ۳۲۸

اول کی سرپرستی

مذکورہ بالا احوال و واقعات سے جہاں بنیادی نقطہ نظر کے
اختلاف کا اظہار ہوتا ہے وہیں جناب سید احمد بریلوی اور ان کے

کار کے عزائم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جانبدار مصنفین کی ہزاروں پردہ پوشیوں کے باوجود یہ
کمال کر سامنے آجاتی ہے کہ ان حضرات کا اصل مقصد و مدعا و باہریت کافر دغ اور دہلی حکومت
کا خاتمہ ہے نئے مورخین "حکومت الہیہ" کے خوبصورت نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہائے نزدیک انکا انگریزوں سے جہاد خارج از بحث ہے انگریز اتنے موقوف کبھی بھی نہیں
تھے کہ ان حضرات کو منظم اور مسلح کر کے کہتے "آہل مجھے مار" بلکہ انگریزوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل
اور اصل استعمال کیا اور یہ حضرات استعمال ہو گئے بالکل اسی طرح جیسے ہندوؤں نے اپنے مقاصد
کی تکمیل کیلئے انہیں استعمال کیا اور یہ استعمال ہو گئے بلکہ ہوئے ہیں جیسا کہ طفیل احمد منگلوری اپنی
کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے اسوقت یہ کیوں گوارا کیا کہ تمام ہندوستان
میں جہاد کیلئے سامان جنگ اور روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے نہ
صرف اسکی اجازت ہو بلکہ مجاہدین کو ہر قسم کی امداد دی جائے اور انکار روپیہ وصول
کر کے انہیں دیا جائے اسکا جواب حسب ذیل اقتباس میں ملے گا۔

اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار اسوقت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہوتی تو ہندوستان
سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزوں اسوقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں
کا زور کم ہو۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۲)

اس عبارت سے کیا کیا نتیجے اخذ کئے جاسکتے ہیں؟ اور تقریباً یہی بات جناب مولوی
محمد تقی نقوی بھی کہتے ہیں۔

اس سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کا اگرچہ سرکار سے جہاد کر نیکا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ انگریزی سرکار اس وقت سید صاحب کے خلاف ہرگز فوجیں نہ بھیجے گی۔ مگر سرکار انگریزی اس وقت اس سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

(حیات سید احمد شہید ص ۲۹۳ جعفر تھانیسری)

چنانچہ جو اعلامیہ سید صاحب کی طرف سے بطور امیر المؤمنین کے جاری ہوا اس سے بھی واضح ہے کہ جنگ انگریزوں سے نہیں سکھوں سے تھی۔

نہ تو ہم کو مسلمان امرا میں سے کسی کے ساتھ تنازعہ ہے اور نہ کسی مسلمان دشمن سے مخالفت ہے ہمارا مقابلہ کفار لعینوں سے ہے نہ مدعیان اسلام سے۔ بلکہ صرف بالوں والے سکھوں سے ہماری جنگ ہے کلمہ گویوں اور اسلام کے طالبوں سے ہم اور نہ سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخالفت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے کیونکہ ہم تو اسکی رعایا ہیں۔ بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔ (مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا ص ۲)

درجناب طفیل احمد منگلوری سوانح احمدی کے حوالے سے لکھتے ہیں

اور سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ انکو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔

مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳

تو انگریزوں کی سرپرستی کی داستان بہت طویل ہے۔ اس جہاد میں قدم قدم پر انگریزوں کے سید صاحب اور ان کے مجاہدین سے بھرپور تعاون کیا ہے۔ جیسا کہ یہی منگلوری صاحب نے اپنے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کر نیکی ہدایت کرتے تھے

ہندوں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کر نیکی واسطے ہی ہو گیا مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اسکی اطلاع ہوئی تو انھوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہیں کرنا چاہئے دہلی کے ایک مجاہدین نے جہادیوں کا روپیہ چھین لیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی جو دہلی ہو کر سرحد بھیجی گی۔

(حوالہ مذکور ص ۱۳۲)

ان مندرجات کی روشنی میں کوئی شخص اس کے علاوہ کیا سوچ سکتا ہے کہ ان مجاہدین کا فرنگیوں کے خلاف بغاوت تھا یہی وجہ ہے کہ "جہاد پر جانے سے قبل سید صاحب نے شیخ غلام علی رئیس الدہ آباد کی معرفت ذاب لفٹیننٹ گورنر کو ارادہ جہاد کی اطلاع دی جواب ملا کہ جب تک انگریزی عملداری کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔"

اور تقریباً یہی بات مولانا حسین احمد صاحب مدنی بھی فرماتے ہیں اور انکی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے سید صاحب کیساتھ بھرپور تعاون کیا تھا انقتض حیات میں لکھتے ہیں کہ سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کر نیکا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ان وقت کا سامن ہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔

یہی نہیں بلکہ سید صاحب کے تعلقات انگریزوں سے اتنے گہرے تھے کہ عین زمانہ جنگ میں صاحب راہبر رنجیت سنگھ نے حکیم عزیز الدین اور سردار وزیر سنگھ کو سفیر مقرر کیا۔

"پیام صلح دیکر سید صاحب کی طرف بھیجا صلح کی شرط راہبر رنجیت سنگھ نے یہ پیش کی کہ دریائے اباسین سے بائیں طرف کا ملک جو سید صاحب کے قبضے میں ہے اُن کے قبضے میں رہے اور وہ دائیں طرف کا تعد نہ کریں راہبر رنجیت سنگھ کی اس سفارت کا جواب سید صاحب نے مولوی خیر الدین خٹیر کوئی اور حاجی مہاراجاں کے ہاتھ بھیجا وہ سب سے پہلے جنرل وٹوار کی ملاقات کو گئے۔

جنرل وٹوار نے ڈپلومیس کا جال پھیلا دیا اور کہا کہ جو وقت میرا ڈیرا حضور میں تھا اس وقت ایک شخص بطور سفیر خلیفہ صاحب یعنی حضرت مولانا سید احمد بریلوی کی طرف سے میرے

پاس آیا تھا اور کہتا تھا کہ اگر راجہ رنجیت سنگھ خلیفہ صاحب کی معرفت (ماگڈاری) منک یوسف زئی کی کیا کریں تو سرکار خالصہ تکلیف فوج کشی اور زیرباری سے ہائی پاسے اور اس ملک کے آدمی تاجاجی اور آتش زنی سے غلھی پائیں سو یہ بات مجھ کو بہت پسند آئی۔

جنرل ونٹورا کی چال بہت گہری تھی اسکی کوشش تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لائی بھی نہ ہو۔

(موج کوثر ص ۲۸۴ شیخ محمد اکرام)

اسکے بعد جنرل ونٹورا اور سید صاحب کے مفروضہ کے درمیان کچھ تلخ باتیں ہوئیں اور یہ سلسلہ رنجیت سنگھ کے پاس جانے کے بجائے ونٹورا سے ملاقات کر کے واپس آگئی (موج کوثر) اگر یہاں کہا جائے کہ بات اتحاد کی ہے تو کچھ غلط ہوگا۔ یعنی پیش کش راجہ رنجیت سنگھ کی تھی۔ پہل بھی راجہ کی طرف سے ہوئی مگر سید صاحب کے صفر میں جنرل ونٹورا سے ملتے ہیں تاکہ ضروری شورہ فرا سکیں اور حدیہ کہ راجہ رنجیت سنگھ سے گفتگو کے بغیر واپس ہو جاتے ہیں جو سزا مر فلاح حاصل ہو۔

بہر صورت ونٹورا کی چال کامیاب رہی یعنی لڑاؤ اور مجاہدین اس چال کا شکار ہو گئے۔ حیرت یہ ہے کہ مولانا مدنی اور ان کے ہم خیال کانگریسی ذہن رکھنے والے حضرات انگریزوں سے جہاد بت کرنے کے درپے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجاہدین اور ان کے قائدین کا واضح عقیدہ اور نظریہ تھا کہ انگریزوں سے جہاد ناجائز و ناجائز ہے پھر تم کیسے تسلیم کر لیں کہ ان حضرات انگریزوں سے جہاد کیا ہوگا۔ ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی بالکل وہی صورت تھی جو اہل عرب کی وجہ سے حجاز مقدس میں رونما ہوئی۔ وہاں بھی وہابیوں نے انگریزوں کی مدد اور تعاون سے اہل عرب کو ہرایا اور فتوؤں کی آڑ میں انکی عصمتوں کو محال کیا۔ انکی بیہوشیاں کو باندیاں بنایا اور ان کے دل لہنے اور انھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا۔

اور یہاں بھی انگریزوں کی مدد اور تعاون سے سنی حنفی مسلمانوں کو کافر، مشرک، مرتد و منافق مبتدع باغی قرار دے کر انکی بیہوشیوں کو باندیاں بنایا گیا۔ قتل و غارتگری کی گئی، لہو سے پتھروں سے سینے سیراب کر دئے گئے اور نکاح بیوگان کی آڑ میں پٹھانوں کے ناموس کی دھجیاں بیری دی گئیں۔

یہ عنوان جناب ایوب قادری صاحب کا قائم کردہ ہے۔ موصوف دور جدید کے خاصے نامور مورخ شمار ہوتے ہیں۔ خصوصاً سید صاحب کی تحریک جہاد اور برصغیر سے متعلق احوال و واقعات اور شخصیات پر کافی کچھ لکھا ہے۔ انکے حوالے سے لفظ نظر کی بھرپور تائید ہوتی ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد "وہابی اسٹیٹ" کا قیام تھا۔ ایوب قادری لکھتے ہیں۔

تحریک مجاہدین کے سلسلے میں ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے بعض لوگوں نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد سکھوں کا امتیصال تھا یا انگریزوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنا۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد حکومت الہیہ کا قیام اور مسلمانوں کے گئے ہوئے اقتدار کو واپس لانا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں سے زیادہ تو انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے سمجھا ہے اور انڈین مسلمانوں میں واضح کر دیا ہے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۸ ایوب قادری)

اور ہنٹر نے نہایت وضاحت کیساتھ لکھا ہے کہ یہ ایک وہابی تحریک تھی اور نجدی تحریک ولایت کا برعکس۔ یہ لوگ سرحد میں وہی کچھ کرنا چاہتے تھے جو عرب میں نجدی وہابیوں نے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایوب قادری کے علاوہ تقریباً سبھی اہل قلم وہابیوں نے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی سخت مخالفت کی ہے۔ سید سے لیکر مہر صاحب تک جتنے بھی اس قبیل کے مورخین گذرے ہیں کسی نے بھی ہنٹر کی تائید انکی جگہ ایوب قادری خود لکھتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ شوشرہ بھی اپنوں ہی کی طرف سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کے سلسلے میں چھوڑا گیا۔ سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے (اور انڈین مسلمانوں) پر تبصرہ کیا اور ثابت کر دیا کہ کوشش کی کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۹)

ایوب قادری صاحب کے مندرجات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

- سید صاحب کا مقصد جہاد و دہلی حکومت کا قیام تھا جسے قادری صاحب حکومت اور
- اور یہ کہ فی الواقع سید صاحب کی جنگ کسی سے نہیں تھی۔
- اور یہ کہ اس باب میں جو کچھ ہنتر نے لکھا ہے درست لکھا ہے
- اور یہ کہ سید صاحب کا مقصد سکھوں سے جہاد کرنا نہیں تھا بلکہ انگریزوں سے تھا
- اور یہ کہ یہ سر سید صاحب کی اپنی من گھڑت ہے؟
- جناب ایوب قادری نے تو یہاں لکھ دیا ہے کہ

اس تحریک کے خاص رکن مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اصل مواد میں ترمیم کر کے انگریزوں کے بجائے سکھوں کا لفظ لکھا اور شہر کیا (جنگ آزادی ص ۶۹)۔

خدا را ہمیں بتایا جائے کہ محمد جعفر تھانیسری، مرزا حیرت دہلوی، سر سید احمد خاں اور اسی سے بہت سے لوگ کون تھے اور کن لوگوں کے بزرگ تھے؟ اور یہ ترمیم، تحریف، تصحیح کن لوگوں کی سرزد ہوئی۔ اور ایسا کیوں ہوا۔ تاریخ کیسا تھوڑا سا اندھناک ظالمانہ مذاق کن لوگوں نے کیا اور ان باتوں کا جواب طلب کرتا ہے۔

اور یہ کہ کیا قادری صاحب اپنے اس موقف کے ثبوت میں کہ ”سکھوں سے جنگ کا ارادہ اپنوں ہی کی طرف سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کے سلسلے میں پھوڑا گیا اور یہ کہ انگریزوں کے بجائے سکھوں کا لفظ لکھا اور شہر کیا گیا“ کوئی ایسا صحیح نسخہ پیش کر سکتے ہیں جس میں ملے کہ بجائے انگریز لکھا ہوا ہو۔

پھر حیرت یہ ہے کہ مولانا مدنی اپنی خود نوشت نقش حیات میں جعفر تھانیسری کو ملوث قرار دیتے ہیں۔

”مولوی محمد جعفر تھانیسری جو سید صاحب کے نہایت مستند سوانح نگار ہیں نقش حیات اور اسی طرح محمد اقبال سلیم کا پندری حیات سید احمد شہید کے ابتدائی میں لکھتے ہیں۔

یہ کتاب حیات سید احمد شہید معذہ مولانا محمد جعفر تھانیسری جو اس وقت نفیس لکھی کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے حضرت سید احمد شہید کے مخلص متبع کی تصنیف ہے حیات سید احمد شہید ص ۶۹۔

موجودت مجاہدین کا ارادہ سکھوں سے جنگ کا ہوا انگریزوں سے لڑائی کا خون سرحد کے سنی مسلمانوں ہی کا بہا گیا اور یہ سب اس منصوبہ بندی کے تحت ہوا کہ پہلے ان (منافقین ہمدردین) کا خون کھائیں اور پھر انگریزوں اور سکھوں سے نبٹتے رہیں گے۔

چنانچہ جناب ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب ”سیرت سید احمد شہید“ میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کا ایک اعلان کرتے ہیں جس کے پڑھنے کے بعد ان کے غلط عزائم کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

اعراض کا جواب تلوار ہے

پھر جب آپ کی امامت ثابت ہوگی اور کوئی امر جو اس منصب سے آپ کی علمی کی کا سبب ہو نہ پایا گیا پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوگی جو آپ کی امامت سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کرے وہ باغی مستحل المم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اس کی بے عزتی تمام اہل فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے۔ اسلئے کہ ایسے لوگ بحکم احادیث متواترہ کلاب النار اور ملعونین اشرار میں اس مسئلہ میں اس ضعیف کا یہی مذہب ہے اور معتز ضیہ کے اعراض کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر (سیرت سید احمد شہید ص ۲۱۲ علی ندوی)۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک شخص ایک گروہ ایک جماعت کو لیکر پہاڑوں میں بنام جہاد جا بٹھرتے اور کچھ لوگوں کو جمع کر کے امامت کا دعویٰ کر دے تو کیا وہ فوجی لیڈر امام المسلمین کہلا سکتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی اطاعت نہ کر نیوالے اسلام کے باغی قرار دئے جائیں گے اور اسکے زمانے والوں کا مال حلال ہوگا، انکے مال و مال لوٹ لئے جائیں گے۔ انکی عورتیں باندیاں بنالی جائیں گی؟ بینوا اور برباد

شیخ اکرام کی گواہی | اور پھر واقعہ مولوی محمد اسماعیل اور انکے ساتھیوں کی تلواریں بے نیام ہو گئیں اور مسلمانوں کا خون کچھ اس طرح بہا گیا کہ دریائے ابا سین کا پانی سرخ ہو گیا۔ اگر غور کیا جائے تو مولوی محمد اسماعیل کی زبان دہی ہے جو عرب کے نجدیوں کی تھی اور ان کا طرز عمل دہی ہے جو دہلیان نجد کا تھا۔

کیا انھوں نے سرحد میں وہی کچھ نہیں کیا جو نجدیوں کے ہاتھوں حجاز مقدس میں ہو چکا تھا۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

اسکے علاوہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض سامعیوں کا رویہ محمدی اور معاملہ فہمی کا تھا بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے مثلاً خاں اللہ بخش ہی سید صاحب کے مقرر کردہ ایک قاضی کی نسبت لکھتے ہیں۔

ایک موقع پر جب مذکورہ جماعت (مجاہدین) کے قائد سید محمد جہاں کے ارشاد کہ جو اہل رسوم خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ منیتہ المستی میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسو سے دیا گیا۔ اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہیں چھوڑا جب اس نے دوبارہ کلمہ نہیں پڑھ لیا۔ بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا۔

موج کو مرفضہ شیخ محمد اکرام

ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں

اجنباب علی ندوی مجاہدین کے قتل کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ سہ کے علاقہ میں جو غازی متعین یا مقیم تھے۔ یا کبھی کسی ضرورت سے دورہ کرتے تھے اُن میں سے جبکہ زیادہ صحبت و تربیت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا یا مزاجاً درشت اور لاابالی واقع ہوئے تھے اُن سے کہیں کہیں بد عنوانیوں اور تعدی کے واقعات بھی پیش آئے۔

سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۲۲۲

اگرچہ ان وحشت خیز واقعات کے ذکر میں جناب علی ندوی کا لہجہ دھیما اور دبا دبا سا ہے مگر بات وہی ہے جو شیخ اکرام کی تحریر سے منظر ہے۔ اور یہ تمام کاروائیاں اُن فتادوں کے زیرِ عمل میں لائی جاتی تھیں جو امیر المومنین کی طرف جاری کئے جاتے تھے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس قسم کے فتادے مولوی محمد اسماعیل ہی تصنیف فرماتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سید صاحب کی امامت از دوسرے قوانین شرعیہ تعامل ثابت و برحق ہے آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج بالاتفاق کتاب و سنت و اجماع و خصوص فقہ باغی اس کا قتل واجب، اس کا خون حلال اور وہ ناری ہے اسپر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔

سیرت سید احمد شہید جلد ۲ ص ۲۲۲

یہ کہتے ہیں "ذئاب فی ثیاب" دوسروں پر شر انگیزی۔ فتنہ سازش۔ فتویٰ بازی کا الزام مولوی کو چاہئے کہ اس آئینہ کو سامنے رکھیں تاکہ انھیں اپنی تصویر نظر آتی رہے۔ اور مظلومیت کا بارہ اور بھگ کر دوسروں کو ظالم قرار دینے والوں کو اب سوچنا چاہئے کہ تلذیر یہ تقدس مآبی باقی رہ سکتی۔

مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں جہاں علمائے کرام اور مشائخ عظام پر نہایت گھنائیے اور رکیک حملے کئے ہیں ان میں ایک میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے جناب لکھتے ہیں۔

فتح پشاور کے بعد احکام شرع ناگوار صورت میں پبلک کے سامنے پیش کئے جاتے تھے صد ہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر انکی بے اعتدالیوں حد سے بڑھ گئی تھیں وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ اُن سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جاری ہیں مجاہدین میں سے کسی انھیں پکڑا اور زبردستی مسجد میں لجا کر نکاح پڑھوایا۔

حیات طیبہ جز اول ص ۲۲

الحاصل ہم "ہامستی کے دانت" نامی کتاب میں جناب سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے جہاد اور اسکے اسباب و بواعث، پٹھانوں کی خدا کاری اور اُن پر فتادوں کی بمباری، مجاہدین کی بے اعتدالیوں، اور اس تحریک جہاد کے ناکامی کے اسباب، دہلی عقائد و نظریات اور پھر اس باب میں مؤرخین کا اضطراب ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔

تقویۃ الایمان

فقائد و نظریات کی اہمیت اس سے پہلے کہ ہم تقویۃ الایمان (معصمہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی) اور جناب ایوب قادری کے درباروں اور تحریک جہاد کے متعلق مزید خیالات کا اظہار کریں۔ اختلافات کے بنیادی وجوہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

دور حاضر کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کے اہل فہم و عقائد و نظریات کے اختلافات کو عمداً کوئی وقعت نہیں دیتے۔ حالانکہ قوموں کے علمی و تاریخی میں عقائد و نظریات کو بہت بڑا دخل ہے۔ تاریخ اس بات کی شہادت ہے کہ عقائد و نظریات بنیاد پر ملک کے ملک زیر و زبر ہو گئے۔ بہتے ہوئے لہو کی حرارت سے زمین کا شاداب بکس کر رہ گیا ہے۔ ایک ہی ملک ایک ہی قبیلہ ایک ہی خاندان کے لوگوں نے صرف نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ ڈالی ہیں۔

آپ اس دور کی تصنیفات ہی کو دیکھ لیجئے کہ تذکرہ نویس حضرات پر کس قدر انایت اور سب کا غلبہ ہے کہ صرف نظریاتی اختلاف کی بنا پر کیسے کیسے عظیم لوگوں کو تاریکیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں محسوس کرتا کہ عقائد و نظریات ہی کے اختلاف کی وجہ سے سید احمد دہلوی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے پٹھانوں کو مشرک، منافق، باغی قرار دے کر ہر قسم کا جوہر جم کر عقائد و نظریات ہی کے اختلاف کی وجہ سے پٹھانوں نے جناب سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل کو کڑی تیغ کر دیا۔

اختلاف کا پہلا بیج

یہ بات علی رؤس الاشهاد کہی جاسکتی ہے کہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کے وجود میں آنے سے پہلے برصغیر کے علماء و فاضلین قابل ذکر اختلاف نہیں تھا۔ اور اگر عقائد کم از کم تاریخ اس کو کوئی وقعت نہیں دیتی۔ اچانک ہی اتفاق و اتحاد کی پوری فضا دھندلا کر رہ گئی۔ اور مولوی محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان نے راق بین المسلمین کا شرف حاصل ہو گیا۔

اور میں علی رؤس الاشهاد کہہ سکتا ہوں کہ یہی انگریزوں کا مقصد تھا جو "تقویۃ الایمان" کے بارہو گیا۔ جناب "روشن مستقبل کے مصنف" طفیل احمد منگلوری فرماتے ہیں۔

ہندو مسلمان کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ اسکے بعد جو طریقہ اختیار کیا گیا اسکا حال "مہرجان میلکم" کے قول سے معلوم ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں انکی عام تقسیم ہو۔ اور پھر ہر ایک جماعت

کے گروہ مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے۔ اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے حکام کو متزلزل نہ کرے گی۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۴)

جناب منگلوری کے اس ارشاد کے پیش نظر ہمارا یہ عندیہ صحیح ہے کہ "ہندوستان میں کم از کم ذاتوں کے درمیان افتراق کی یہ فضا نہیں تھی۔ اور یہ فضا انگریزوں نے اپنی مقصد برآری کیلئے کھولا۔ تو اب ہمیں انصاف کی نظر سے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اختلاف و انتشار کا خراج کہاں ہے۔ اور کون کون سے ذریعہ تمام مسلمانوں کو کافر بنا کر نکلے کا بیج بویا گیا۔

جناب ایوب قادری جو مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور انکے مخدوم سید احمد بریلوی کے نہایت اہل مہارت اور مدراج ہیں اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لکھتے ہیں۔

تو ایک مجاہدین پر ایک نظر! دور اول سید احمد کی تحریک تجدید و احیائے دین اور جہاد کی تحریک تھی توحید خالص کی تبلیغ شرک و بدعت اور قبر پرستی کا استیصال مہم محرم کی بے گناہ شادی وغنی نیز دیگر تقریبات کے غیر اسلامی مراسم کے بجائے اسلامی سادہ زندگی کا احیاء۔ اور نکاح بیوگان کی ترویج و اشاعت ہی تحریک کے خاص عنصر تھے۔ اس مقصد کیلئے شاہ اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان جیسی انقلاب آفرین کتاب لکھی۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۵۲

مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کے بارے میں ایک اور انقلاب آفرین خیال منظر فرمائیے۔ مولوی محمد علوت سمبلی جو زندہ علماء کے استاد ہیں لکھتے ہیں۔

دہلی مجاہدانہ جذبہ سے مرشار ہو کر انھوں نے تقویۃ الایمان لکھی اور شیطان اور اس کے چیلوں نے امت محمدیہ کے جاہل طبقوں میں جو شرک پھیلا دیا تھا اس پر ٹھیک فائدہ دتی۔ اور اس میں بھرپور وار کیا اور حق یہ ہے کہ اسکو جہنم رسید کر دیا۔ (بریلوی فتنہ کا نیاروپ ص ۲۴)

ادرب جناب ایوب قادری ہی کے قلم سے اس کتاب کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔
بات واضح ہو جائے۔ لکھتے ہیں۔

مولانا فضل حق نے سب سے پہلے "تقویۃ الایمان" اس شہنشاہ کی تویہ شان... کی
کے پیدا کر ڈالے پر امتناع نظیر اور امکان نظیر کی بحث پھیری ایک مختصر سار سار
اس عبارت کی رد میں لکھا پھر تو اس سلسلے میں بہت سے رسالے قلمبند ہوئے
اور تقویۃ الایمان کے مستقل رد لکھے گئے۔

غرض اس تحریک کی مخالفت کے آثار کا مہر مولانا فضل حق خیر آبادی کے سر سے
(حاشیہ ۱۵۴ ص ۵۴ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

جناب قادری اس بات پر تو بہم ہیں کہ مولانا فضل حق نے "تقویۃ الایمان" کا رد لکھا
تقویۃ الایمان جیسی گمراہ کن کتاب کو اس کی تمام حشر گمانیوں سمیت مضموم کر گئے۔

خود قادری صاحب کا یہ حال ہے کہ اپنے ممدوح مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی
ہتالاب آفریں کتاب کا بعینہ حوالہ بھی درج فرمائی جرات نہ کر سکے۔

تقویۃ الایمان واقعی انقلاب آفریں کتاب ہے جس نے برصغیر کی ہستی سکراتی محبت و
بریز مرزین پر نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکا دیئے اس انقلاب آفریں کتاب کی ہر
پہر کبھی کسی موقوفہ پر گفتگو کریں گے۔ پہلے آپ مکمل حوالہ ملاحظہ فرمائیں جسے قادری صاحب
نے کن مصلحتوں کی بنا پر نظر انداز کر دیا ہے۔

جو کوئی کسی نبی دلی کو، امام شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں
اس قسم کا شفیق مجھے تو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے معنی
کچھ بھی نہ سمجھے اور اس مالک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی۔ اس شہنشاہ کی شان تویہ ہے
کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی، جن فرشتے اور محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔

(تقویۃ الایمان ما شد کہنی دیوبند ص ۲۲)

پوری تقویۃ الایمان گستاخیوں، بیبیا کیوں کا کھولنا ہوا سمندر ہے جس نے نہ جانے کتنے

اول کو ویران کر دیا ہے حق یہ ہے کہ جسے قادری صاحب انقلاب آفریں کتاب فرماتے
ہیں وہ اس قابل ہے کہ نذر آتش کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ مولوی محمد اسماعیل کی اس کتاب پر
گفت ہی نے مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کو ان کا معتب کیا ہے اگر حضرت خیر آبادی
گفت نہ فرماتے تو صوب کچھ ٹھیک تھا۔

اسکے باوجود اس باب میں جناب ایوب قادری ستائش کے لائق ہیں کہ انہوں نے اختلاف
کی بنیادی نقطہ نظر کا ذکر کیا اور اس کا بھی اقرار ہے کہ تقویۃ الایمان کے بعد ہی نظریاتی معرکہ
اولی شروع ہوئی۔ اور یہ کہ تقویۃ الایمان ہی اختلاف کی وجہ بنی ہے۔

اور یہ اختلافات اس وقت بہت واضح ہو گئے تھے جب سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل
دہلوی نے سرحد میں یلگوئے برتری حاصل کر لی تھی۔ اور یہی اختلاف پہاڑوں میں ان کی مکمل
جہاں کے اسباب بنے۔

بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف | اس سلسلے میں جناب شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

سید صاحب اپنے رفقاء کی بے اعتدالیوں کو رد کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے
اور جانتے تھے کہ سمجھدار اور عالمہ فہم حضرات کو ذمہ داریاں سونپنی چاہیں۔ مثلاً
انہوں نے بڑی کوشش کی کہ مولانا خیر الدین قاضی القضاہ بننے پر آمادہ ہو جائیں عشر
کا بھی شاید کوئی حل نکل آتا۔ لیکن مجاہدین اور باقی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر
کا اختلاف تھا۔ قبائل کو جو رہیں عزیز محبتیں مجاہدین کے نزدیک وہ کفر محبتی حالات
کو دیکھ کر وہ یہی فیصلہ کر سکے کہ مرد و عورت خلات شریعت اسلامیہ بتیں اسوجہ
سے پہلے انکی اصلاح ہونی چاہئے اور اسکے لئے اقدام شروع کر دیا۔ اور قرن اول
کے مخلص مسلمانوں کی طرح بیک جنبش لب احکام خداوندی کو نافذ کرنا چاہا اور
اس کا مطلق خیال نہ کیا کہ وہ تو قرن اول کی قوم نہ تھی

موج کو شمس شیخ محمد اکرام

اس سلسلے میں اگرچہ جناب شیخ اکرام چبا چبا کربات کرنے کے عادی ہیں اور مدح سراوی
کا ہر موقع ہمت سے نہیں جانے دیتے پھر بھی حقیقت کا اظہار بہر صورت ہو گیا ہے۔ مثلاً یہی کہ

مجاہدین اور باقی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف تھا، اگر مٹھنڈے دل سے لیا جائے تو معاملات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ اتنا خون خرابا نہ تو غلط رسموں کی بنیاد پر ہونا ہی عشر کیوجہ سے ہوا اصل میں یہ غلط نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ حیرت ہے کہ سید صاحب کے قدیم و جدید مؤرخین بار بار یہی کہہ رہے ہیں کہ رسموں کی بنا پر جنگ ہوئی اور تباہی پھیلی۔ مگر یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ رسموں کیوجہ سے آدمی مشرک بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ جن چیزوں کو یہ حضرات صریح طور پر مذکور نہیں کرتے وہ مشرک بھی ہے یا نہیں؟ وہاں تو برجستہ مشوے دئے جاتے تھے۔

مولانا نے مولوی محبوب علی صاحب (راستے سے سید صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس بات پر ناگواری کا اظہار اور اعتراض تھا کہ آپ نے درانیوں سے صلح کیوں کر لی ہے جو مجاہدین و مہاجرین کے سردار بن رہے ہیں اور اسکو توکل و عزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف مشورہ دیا کہ پیسے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہئے۔

سیرت سید احمد شہید جلد ۲ ص ۵۳

خود فرمائے یہاں اسلامی اخلاق فاضلہ کا کہیں دور دور پہنچ نہیں چلتا جو ہندوؤں و سکھوں کی طرح مگر مسلمان پٹھانوں کو کافر اور مشرک بنا کر مشوق جہاد پورا کیا جا رہا ہے۔ اور یہی نہیں کہ وہ مشورہ تھا۔ اس کا جواب بھی دیکھتے چلیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس عاجز کا قصد ہے کہ بیس روز یا تقریباً ایک ماہ کے بعد پشاور جائے۔ میں نے ہرگز ہرگز منافقوں کیساتھ کوئی مصالحت نہیں کی ہے اور نہ کبھی ان سے موافقت کی کوئی راہ نکالی ہے

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۱)

باب فتویٰ بنیادی نقطہ نظر کے باب میں فتویٰ بازی ہوتی رہی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور ان کے مقلدین، معاونین مشرک و کفر کی توپ بازی کرتے رہے۔ یہ نکل کر پہاڑوں میں بسنے والے سادے لوگ جو سید صاحب اور ان کے غازیوں کے لئے مقدس تھے کہ انکی سواروں کی خاک آنکھوں سے لگاتے تھے یکدم بھر ہم ہو گئے۔

مجاہدین اور باقی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف تھا، اگر مٹھنڈے دل سے لیا جائے تو معاملات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ اتنا خون خرابا نہ تو غلط رسموں کی بنیاد پر ہونا ہی عشر کیوجہ سے ہوا اصل میں یہ غلط نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ حیرت ہے کہ سید صاحب کے قدیم و جدید مؤرخین بار بار یہی کہہ رہے ہیں کہ رسموں کی بنا پر جنگ ہوئی اور تباہی پھیلی۔ مگر یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ رسموں کیوجہ سے آدمی مشرک بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ جن چیزوں کو یہ حضرات صریح طور پر مذکور نہیں کرتے وہ مشرک بھی ہے یا نہیں؟ وہاں تو برجستہ مشوے دئے جاتے تھے۔

مولانا نے مولوی محبوب علی صاحب (راستے سے سید صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس بات پر ناگواری کا اظہار اور اعتراض تھا کہ آپ نے درانیوں سے صلح کیوں کر لی ہے جو مجاہدین و مہاجرین کے سردار بن رہے ہیں اور اسکو توکل و عزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف مشورہ دیا کہ پیسے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہئے۔

سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۵۳

خود فرمائے یہاں اسلامی اخلاق فاضلہ کا کہیں دور دور پہنچ نہیں چلتا جو ہندوؤں و سکھوں کی طرح مگر مسلمان پٹھانوں کو کافر اور مشرک بنا کر مشوق جہاد پورا کیا جا رہا ہے۔ اور یہی نہیں کہ وہ مشورہ تھا۔ اس کا جواب بھی دیکھتے چلیں۔

سیرت سید احمد شہید جلد ۲ ص ۵۳

انشاء اللہ تعالیٰ اس عاجز کا قصد ہے کہ بیس روز یا تقریباً ایک ماہ کے بعد پشاور جائے۔ میں نے ہرگز ہرگز منافقوں کیساتھ کوئی مصالحت نہیں کی ہے اور نہ کبھی ان سے موافقت کی کوئی راہ نکالی ہے

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۱)

باب فتویٰ بنیادی نقطہ نظر کے باب میں فتویٰ بازی ہوتی رہی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور ان کے مقلدین، معاونین مشرک و کفر کی توپ بازی کرتے رہے۔ یہ نکل کر پہاڑوں میں بسنے والے سادے لوگ جو سید صاحب اور ان کے غازیوں کے لئے مقدس تھے کہ انکی سواروں کی خاک آنکھوں سے لگاتے تھے یکدم بھر ہم ہو گئے۔

کا ایک قافلہ لیکر پہاڑوں میں پہنچے تھے) بڑی عجیب بات کہی تھی کہ

تمہارے اوپر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق ہیں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟
نے کہا جہاد کیواسطے! مولوی صاحب نے کہا جہاد کہاں ہے! اور کون کفار سے قتال
ہے کس ملک میں تمہارا عمل دخل ہوا! صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کا
فکر میں رہتے ہو جہاد کا محض بہانہ ہے تمہاری دنیا اور آخرت دونوں خراب ہیں
سیرت سید احمد شہید جلد ۵ ص ۵۷

اور پھر مولوی محبوب علی لڑتے ہوئے کہ بہتر ہے مجاہدین کیساتھ واپس ہو گئے۔ پھر وہ
سے رقوم اور قافلے دونوں بند ہے۔ اور ہزار جتن کے بعد پھر یہ سلسلہ جاری ہوا۔
کہ کیا یہی حال تبلیغی جماعت کا نہیں ہے؟ اور کمال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو امام
کہتے ہیں اور انکا دھندا بھی وہی ہے جو مولوی محبوب صاحب نے کہا ہے۔ "صبح سے شام
لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو جہاد کا محض بہانہ ہے تمہاری دنیا و آخرت دونوں
خراب ہیں۔"

یک طرفہ کاروائی | جناب شیخ محمد اکرام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب تک پٹھانوں کے ہاتھوں
میں جو کچھ کہا جاتا رہا ہے وہ ایک یک طرفہ کاروائی تھی۔
کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی یا انکے موقف کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا
پر وینٹڈس کے ذریعہ پٹھانوں کو ظالم اور مجاہدین کو مظلوم قرار دے کر داستان گوئی
کردی گئی۔ ————— دیکھتے ہیں

اس افسوسناک انقلاب احوال کا تجزیہ کرنا اور اسکے اسباب و لواعات ڈھونڈنا
تاریخ نگار کا تلخ فرض ہے۔ لیکن آج یہ کام کسی قدر آسان ہو گیا ہے۔ ایک
اس سانحہ کے متعلق فقط سید صاحب کے عقیدت مندوں کے بیانات ملتے تھے
جنکی ترجمانی عہد حاضر میں مولانا مہر نے بڑے جوش و جذبہ سے کی ہے
موج کوثر ص ۳

اگر غیر متعصبانہ طریقہ سے دیکھا جائے تو یہ بات باسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ

مولانا اور انوکھی حرکت نہیں کی تھی "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق فتوؤں کا جواب فتوؤں سے دیا
اور مولانا کا جواب تلوار سے

پھر اس باب میں صرف پٹھانوں ہی کو کیوں قابل ملامت اور لائق گردن زدنی قرار دیا جاتا
ہے صاحب کے مجاہدین اور غازیوں نے بھی تو فتوے ہی کی آڑ میں قسم کی تعدی سرکشی
اور گواریاں روا کیں تھیں اور انتہائی دیدہ دلیری سے چلتی پھرتی روکیوں کو بنام جہاد افکار مسیہ
اور اہل ہرجایا کرتے تھے اور نکاح کے بغیر نہ چھوڑتے (گویا ان حضرات نے خانہ خدا کو
بنار کھا تھا) غیر جانبدار شخص ان حالات کے پیش نظر اسے شرعی غنڈہ گردی
کہہ نہیں کہہ سکتا۔

مگر حیف درحیف اسکے ہمراہیوں نے تو لڑائی نڈ نڈ نڈ اور اپنی خود راغی سے لٹیا ہی
ڈبوی اور ایسا ستیاناس کر دیا کہ اس کو ملک پنجاب کو چھوڑنے سے بن پڑا
حیات طیبہ ص ۲۲۳

ہر صورت اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو کچھ ہوا اسکی بنیاد نظریاتی اختلاف
اور اس کا پہلا بیج "تقویۃ الایمان" ہے اور اسکی بنیاد مولوی اسماعیل دہلوی نے رکھی جو عین
حکومت کے وقت جب انکے مجاہدین کی پٹھانوں سے لڑائی ہو رہی تھی ان الفاظ میں ہدایات
دے رہے تھے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے حکم دیا کہ توپ کو کھینچ کر مسجد کے شمال مغرب کی میکہ کی
پر نصب کر دیا جائے۔ آپ نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف
گناہ پر مغرب لگانی چاہئے۔ دوسری جانب دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ
اس طرف منافقین پر

(سیرت سید احمد شہید ص ۱۳۳)

ع پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

دہابی یا الہدیت

ایک ہی کنبہ کے لوگ

دہابی کہیں، یا اہل حدیث یا پھر محمدی بات ایک ہی ہے۔ حضرات بھی فرنگی دور کی برکات سے برصغیر کیسے تھے ہم بطور خاص انکی سیاسی خدمات کا تذکرہ کریں گے اور پھر تاریخی خود ہی فیصلہ کر لینگے کہ یہ لوگ کون ہیں صحیح یہ ہے کہ دیوبندی اور دہابی ایک کنبہ اور اعتقاد ایک ہی مکتبہ فکر کے زائید ہیں۔ دیوبندی حضرات حضرت شاہ دلی اللہ صاحب کے قریب ہو چکے مدعی ہیں، اور دہابی خالص اسماعیلی فرقہ ہو چکے مدعی ہیں، دوسرے لفظوں میں "علائی"، "اخفائی"، "بھائی" بھی کہہ سکتے ہیں تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

اور زمانہ جدید کے اہل قلم جو ان حضرات کے مقلد و مداح ہیں ان دونوں کے مرکب کا نام دلی اللہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور جس مسلک کو یہ حضرات مسلک دلی اللہ کہتے ہیں وہ بھی عجیب چیز ہے جسکا تعلق جائزہ پھر کبھی انشاء اللہ تعالیٰ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ سید احمد بریلوی صاحب کی طرف میں پیش پیش ہیں۔ تو اہل حدیث حضرات مولوی محمد اسماعیل صاحب کی تعریف و تہلیل میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سید احمد صاحب بریلوی جو مولوی محمد اسماعیل صاحب کے ہم عصر ہیں انکی حیثیت بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً مزارِ امیرت جب داستانِ بیوہ بنانا سنا تے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا سید صاحب پر تبرافرا ہے ہیں۔

اور شاید اسی وجہ سے "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" کے مصنف جناب ایوب صاحب نے دہابیوں کو تاریخی حیثیت سے انکی سرحدوں میں دھکیل دیا ہے اور تقریباً وہ تمام باتیں لکھ ڈالی ہیں جنکو چھپانے کی کوشش کی جا رہی تھی اور جواب آں غزل کے طور پر جناب برق اللہ صاحب نے (دہابی اہل قلم) خاصی برق اندازی فرمائی ہے اور دیوبندی مکتبہ فکر کا کچا چٹھا کھول کر چوک میں رکھ دیا ہے۔

اس سلسلے میں کچھ روشنی جناب طفیل احمد صاحب منگلوری نے بھی اپنی کتاب میں

دشمن مستقبل میں ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں۔

سید صاحب بریلوی کا مذہبی مسلک ہمہ گیر تھا یوں کہنے کو تو آپکے مخالف آپکی حمایت کو دہابی کہتے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ جماعت دو مختلف اور متضاد گروہوں کے مرکب تھی جنہیں متحد رکھنے میں وہ مدتِ العمر مصاعی رہے۔ ان میں سے ایک گروہ کے سردار مولوی عبدالحی اور مولوی کریمت علی جو پوری تھے جو اہلسنت کا طریقہ رکھتے تھے اور دوسرے گروہ کے سردار مولوی اسماعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہِ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے خود سید صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر اسی کیساتھ مولوی اسماعیل کی جماعت کی سرپرستی کرتے تھے جو اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۲۸)

یعنی سید احمد صاحب بریلوی یہ بھی تھے اور وہ بھی تھے۔ بلغظ دیگر عملاً حنفی تھے اور اعتقاداً اہل حق تھے اور انکے اپنے سلسلے کا نام محمدی تھا۔ اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں بوقت ضرورت حنفی تھے اور جب کوئی ضرورت نہ ہو تو محمدی تھے جناب شیخ محمد اکرام صاحب کتاب "موج کثر" کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہوں نے اپنے سلسلہ کا نام طریقی محمدیہ رکھا تھا ان کا دستور تھا کہ پہلے طریقہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، صہروریہ میں باد آرز بلند بیعت لیتے پھر طریقہ محمدیہ میں بیعت لیتے تھے۔ اس باب جناب محمد علی قسوری بھی اپنی کتاب مشاہداتِ کابل دیاعستان میں کچھ فرماتے ہیں۔ (چنانچہ باوجودیکہ وہ حنفی تھے لیکن بہت سے مسائل حنفی مسلک سے انحراف کے سنت کے مطابق یا کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اس مسلک کو ائمہوں نے مسلک احمدیت کے نام سے موسوم فرمایا) مشاہداتِ کابل دیاعستان (مثلاً) اب نہ جائے شاہ اسماعیل صاحب کس سلسلہ میں بیعت تھے کیونکہ انکے نزدیک ہر سلسلہ بیعت بدعت و منالیت ہے۔

چنانچہ اپنی شہود کتاب تذکیر الاخوان بقیہ تعویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔

"تم اپنے دین میں نئی نئی رسم اور نئے نئے عقیدے اور طریقے نہ نکالو اور پھوٹ

نہ ڈالو کہ کون معتزلی ہوئے کوئی خارجی بنے اور کوئی رافضی اور کوئی ناصبی اور کوئی مرجئی کہا دے۔۔۔۔۔ پھر ان میں کوئی قادری کوئی سہروردی کوئی اشعری کوئی چشتی بنے الخ

(تذکیر الاولیاء بقیہ تقویۃ الایمان ص ۵۵ طبع دیوبند)

یہ بھی مجاہدین ہیں

دہلیوں کے پر جوش مورخین نے انھیں بھی مجاہدین کی صف میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ پوری صدی گزر جانیکے باوجود ان حضرات افرادی لحاظ سے اتنی تعداد میں نہیں ہیں کہ کسی باقاعدہ فوج کی شکل اختیار کر سکیں چنانچہ جناب شہداء اللہ امرتسری شمع توحید میں فرماتے ہیں

امرتسری میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (دہند و سکھ) کے مساوی ہے۔ اسی سال پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جنگو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا ہے۔ (شرح توحید مکتبہ شانیہ مشاء مطبوعہ ۱۹۵۶ شہداء اللہ امرتسری)

مگر اہل قلم فرماتے ہیں کہ مجاہدین تھے، سکھوں اور انگریزوں سے انھیں خاص دشمنی تھی۔ انگریز انکے نام سے قہراتے تھے سکھوں پر لڑ رہے تھے۔ تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔ ہمیں قلم کی آبرو کا احترام ہے۔ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ خشک دعبوس لوگ اول دور غازی اور مجاہد تھے۔ خواجہ ہی کی طرح تند خوار جنگ جو تھے۔ اور یہ کہ انگریزوں کے اولی دشمن بھی تھے۔ انکی ڈھکارسے سات سمندر پار کھلبلی مچ جاتی تھی۔

مگر خدا راہیں یہ بتایا جائے کہ ان واقعات و روایات کو کہاں رکھا جائے اور کس غلامی ٹٹ کیا جائے جو ان حضرات نے خود ہی صح تصدیقات کے قہ فرمائی ہیں۔ اور یہ روایات انگریز دشمنی کی نفی کرتی ہیں۔

مورخین کی ہٹ دھرمی

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ بہر صورت شہداء اللہ امرتسری کے مدح سرائی کے قائل ہیں۔ چاہے حقائق و شواہد اور واقعات و روایات اسکی کتنی ہی کیوں نہ نفی کرتے ہوں۔ ہر حال میں انکی ضد اور ہٹ دھرمی باقی رہتی ہے ایک نے کہا تھا کہ بیس اور بیس ساٹھ ہوتے ہیں۔ دوسرے نے کہا غلط کہنا

یہاں سے ہوتے ہیں لہذا شرط لگ گئی۔ بیوی نے میاں سے کہا۔ میاں تم شرط مار جاؤ گے۔ میں چالیس ہی ہوتے ہیں۔ اُس نے ہنس کر کہا۔ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر تو بڑی جھولی ہے۔ ہاں گائب ہاں گائب۔ نہ میں مانوں گا نہ ہاں گائب کا اس باب میں شیر بہادر رشتی کا بھی شک ہے۔ جناب بنی افادات مہر یہ میں لکھتے ہیں

میں مجاہدین کی شان و آبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات اور توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔ افادات مہر ص ۲۳۱

اب آپ ہی فرمائیں جہاں یہ صورت حال ہو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ یہ تو تاریخ کا منہ ہے۔ حوالی بات ہے یعنی حقائق و شواہد چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں یہ حضرات مجاہدین کی دعوت دے رہے ہیں۔ جناب مسعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں

مولانا سندھی کی کتاب ”ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک“ وسیع مطالعہ اور عین فکر کا نتیجہ ہے۔ مگر انھوں نے حزب ولی اللہ کی تشکیل اور من مانی توجیہ کی خاطر سید صاحب کے ماننے والوں پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور انکی کمزوریوں کی تنقید و مذمت میں ان کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے۔ (دہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک)

ان حالات و وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم تو یہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حضرات نہ تو اس قسم کے مجاہد تھے جنکی دھوم مچی ہوئی ہے۔ نہ ہی اس طرح کے غازی تھے جنکا شہرہ دور دور تک ہے۔

حق یہ ہے کہ اگر گہری نظر سے احوال و واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ انگریزوں اور سید صاحب کے مابین کبھی ایک لمحہ کیسے بھی جنگ نہیں ہوئی۔

بلکہ ہر دو فریق نے اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر ”کچھ لو اور کچھ دو“ کے نظریہ کے تحت ایک دوسرے کیساتھ بھرپور تعاون کیا تھا انگریزوں کے دور میں انھیں ہر طرف مہولت حاصل تھی۔ ان حضرات نے انگریزوں ہی کے دور میں مجاہدین کی فوج بنائی۔ رضا کار تیار کئے۔

جہاد کے لئے پورے ملک کا دورہ کیا۔ غریبوں، فقیروں، امیروں و ذریعوں سے چند روپے جمع کیے۔ ان روپوں، نوابوں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی حاضری دی اور بنام جہاد تعاون حاصل کیا۔ انھیں کئے کئے۔ حرب و ضرب کی تربیت دی گئی۔ جنگ کی مصلوبہ بندی ہوئی۔ اور انھیں کے غازی تیار کئے گئے اور نہ صرف یہ کہ انگریزوں نے انکی تیاریوں سے چشم پوشی کی، بلکہ انکی تیاریوں میں ان سے تعاون کیلئے واضح احکامات بھی جاری کئے گئے۔ اس سلسلے میں انھیں سہولتوں کا اس طرح بندوبست تھا کہ انگریز پورے پورے قافلے کا کھانا پکوا کر حاضری دے۔ آخر کیوں؟

ان حضرات کی یہ ناز برداری کیوں کی جاتی تھی۔ بلکہ متعلقہ حکام کو یہ تعبیر کی جاتی تھی کہ خبردار خبردار کچھ نہ کہا جائے۔ یہ ہماری درد مری کا باعث نہیں بنیگے سرکار کو ان سے کوئی نقصان نہ ہو۔ جناب حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں۔

سید صاحب کا مقصد ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں کو ایسٹ انڈیا کے تسلط و اقتدار سے نجات دلانا تھا۔ انگریز خود اسے محسوس کرتے اور اس تحریک سے بہت مخالفت تھے اس بنا پر جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرینیکا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کے سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی

(نقش حیات ص ۱۱۹)

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ارادہ سکھوں سے جنگ کرینیکا آگے فرمائینگے سکھ نہیں۔ مراد انگریز تھے۔

مولانا مدنی کی منطق | مولانا مدنی اور انکی کتاب "نقش حیات" دونوں ہی عجیب ہیں۔ گاندھی فلسفہ کے بھرپور حامل و متبع ہیں۔ یہاں بھی وہ

یہ بھی مقصد تھا اور وہ بھی "اگر جناب مدنی کی صرف اس کتاب کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے لئے یقیناً ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی مثلاً اسی کتاب کے ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

سکھوں سے جنگ فرقہ واریت کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ وہ انگریزوں کے مایع اور مددگار تھے انگریزوں نے انکو ہندوستان میں اپنی حکومت کی حفاظت کیلئے افغانستان کے راستے میں مدد سکندری اور آہنی دیوار بنایا تھا اسی لئے ان کا تلخ قمع کرنا لازمی تھا

(نقش حیات ص ۱۲۳)

آپ یہاں کیا سمجھینگے یہی ناکہ اپنی اس آہنی دیوار میں رخنہ ڈالنے کیلئے اور اپنی مدد سکندری کو کرنے کیلئے جناب سید احمد بریلوی اور انکے غازیوں کی مدد شروع کر دی اور انھیں بند و قتل سکھوں اور تیر و تنگ سے آراستہ کر کے کہا کہ جاؤ پہاڑوں میں جاؤ اور جہاد کے نام پر اپنی آہنی دیوار کو سمار کر کے ثواب دارین حاصل کرو۔

کیا انگریز اتنے ہی احمق اور بیوقوف تھے کہ اپنی ہی دیوار میں تڑوانے کیلئے سید صاحب کو ہتھیار فراہم کر دیتے۔ اور کیا انگریز ہندوستان میں اتنے ہی کمزور تھے کہ سید صاحب اور انکی مدد اسماعیل صاحب سے خوفزدہ ہو کر انھیں مسلح کرنے لگے تھے۔ اور غضب یہ کہ انھیں تحریک جہاد کیلئے سفری سہولتیں مہیا کر رہے تھے کہ مزید طاقتور ہو جائیں۔ ان تو جہاد کے کوئی سادہ مرید تو مطمئن ہو سکتا ہے مگر ان دغا خیزوں سے دوسرے لوگوں کو مطمئن نہیں ہو سکتا۔ مولانا مدنی کی یہ بیڈھب منطق صرف انکے ارادت مند شاگردوں کے کام آ سکتی ہے دوسروں کی فراست اسکی بلندی کو نہیں چھو سکتی۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ سید صاحب اور انکے شریک کار امیروں اور نوابوں، راجوں، نوابوں کے پاس کھلے عام جایا کرتے تھے اور ان سے بر قسم کا تعاون حاصل کرتے تھے۔ کیا برٹش گورنمنٹ اتنی ہی بے خبر تھی کہ اسے انکی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوتا تھا؟ اور اگر گورنمنٹ کبھی بھی کسی دور میں بھی اتنی غافل اور بے خبر نہیں رہی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انکے دوست سید صاحب سے باز پرس کی اور نہ ہی اپنے وفادار نوابوں اور جاگیرداروں سے کچھ پوچھا۔ پھر کیا کہا جائے۔ بات بڑھ جائے گی یا ران چین جانے دو

مقصد جہاد کی وضاحت | مولانا مدنی مقصد جہاد پر بھی بحث فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں

جہاد سے آپکا مقصد خود اپنی حکومت قائم کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ دین رب العالین کی خدمت تھا

(نقش حیات ص ۳۲۱)

اور پھر اس خدمت دین رب العالین کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں بیشک سید صاحب جگہ جگہ اعلیٰ کلمۃ اللہ اور دین رب العالین کی خدمت کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو اپنی مساعی کا محرک بتاتے۔ لیکن آپ خوب سمجھتے تھے کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کا ذریعہ صرف یہی نہیں ہے کہ ایک فرقہ دار گورنمنٹ قائم کیجائے۔ اور خود حاکم بنکر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے۔ بلکہ اس کا سبب زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ برادران وطن کو سیاسی اقتدار میں اپنا شریک کر کے اسلامی فضائل اخلاق سے انکے دلوں کو فتح کیا جائے۔ اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کی کوئی پیچیدگی آپ کے ذہن میں نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک یہ دونوں بے حقیقت چیزیں تھیں۔ جو اپنے عمل میں زیادہ پر جوش، فداکارانہ محنت اور مخلص و دیانتدار ہوگا امامت اور لیڈر شپ اُسی کے ہاتھ میں ہوگی خواہ اقلیت کے فرقہ سے یا اکثریت کے فرقہ سے

(نقش حیات ص ۳۲۲)

یہاں اسکی تشریح میں اسکے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ

لیکن غلاموں میں ایسے اصحاب علم و فضل ایسے ارباب فہم و دانش ایسے صاحبان زہد و تقویٰ ایسے حامیان کتاب و سنت بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جو کافروں اور مشرکوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کے ذوق و شوق میں اپنے ہم مذہبوں اور ہم قوموں سے جہاد کر سکتے ہیں

(قائد اعظم محمد علی جناح اور انکا عہد ص ۲۹۵)

مسلمانوں ہی کے لہو سے چٹاؤں کو تر بتر کر سکتے ہیں۔ انکے لئے انکے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں۔ مگر برادران وطن کی محبت میں مذہب و ملت کے اصولوں کو بدلا جاسکتا ہے

جناب بنگوری فرماتے ہیں

والی اعتبار سے مہاراجہ نجیت سنگھ کو مسلمانوں سے بظاہر کوئی تعصب نہیں تھا بلکہ ہندوستان کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمان سکھ قوم سے قریب تر تھے۔ اگر سکھوں کو اور نجیت سنگھ کو مسلمانوں سے تعصب ہوتا تو پیرزادہ عزیز الدین انکے وزیر اور معتمد خاص کیوں ہوتے اور انکے توپ خانہ کا افسر اعلیٰ الہی بخش کیوں ہوتا اور وہ توپ خانہ الہی بخش کے نام سے کیوں موسوم ہوتا مگر انکی فوج اور انکے سردار یقینی طور پر بے قابو تھے۔

دہلی کی مغلیہ سلطنت جب کمزور ہوئی تو مرہٹوں نے شمالی ہند پر حملہ کر کے ملک کے بڑے حصہ پر قبضہ کیا۔ مرہٹوں اور راجپوتوں کی ریاستیں عرصہ دراز سے قائم تھیں اس لئے وہ ملک داری اور حکمرانی کے طریقوں سے بخوبی واقف تھے اور اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا پاس دلحفاظ کرتے تھے چنانچہ مرہٹوں نے مسلمانوں کی عداوتوں کو جو قاضیوں کے تحت میں عقیں بجنہ قائم رکھا اسی وجہ سے مسلمانوں نے انکی عملداری کو دارالاسلام قرار دیا جہاں جہاد لازم نہیں آتا
مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۱

تو پھر سید صاحب نے بلاوجہ جہاد کا گورکھ دھندا پھیلایا تھا۔ وزیر بھی مسلمان تھا۔ لپ قاز کا افسر بھی مسلمان تھا۔ اور سکھ مسلمانوں سے قریب تر بھی تھے۔ اب ہم کیا بتائیں کہ ہندوستان کے صدر ذاکر حسین بھی مسلمان تھے۔ کانگریس کے صدر ابوالکلام بھی مسلمان تھے اور دوسری اقوام میں سے بڑے کرتا دھرتا بھی مسلمان تھے۔ مگر اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پہلوئے ہیں تھے۔ جہاں ضمیر کا سودا سونے کے سکوں سے ہو جائے وہاں مسلمان کی کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور پھر مرہٹوں سے بھی جہاد نہ ہوا تھا۔ اگر نیردوں سے جہاد نہ درست، ہندو برادران وطن، سکھ غیر تعصب اور قریب تر، مرہٹے کی حکومت دارالاسلام۔ پھر جھگڑا کیا تھا۔ کیا پنپاؤں میں صرف مسلمانوں کا قتل عام کرنے گئے تھے

سیاسی بلیک میلنگ

انگریزوں سے جہاد کے سلسلے میں جو بات کہی گئی وہ یہ ہے کہ ان حضرات کے دوسرے مقاصد تھے۔ انگریزوں سے جہاں کہیں بھی جنگ و جدال کی نوبت آئی وہ صرف سیاسی مفاد کا انحصار تھا۔ دوسرے غرضوں میں اگر اسے سیاسی بلیک میلنگ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ جب تک انگریزوں اور دہلیوں کا مفاد مشترک رہا کبھی ایک دن بھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اگر دیکر تارک اور مجاہدین سکھوں سے کم (کیونکہ وہ قریب تر تھے) اور بقول انکے مسلمان مخالفی منافقوں، پٹھان مشرکوں سے زیادہ جنگ کرتے رہے۔

اور اگر یہ صحیح ہے کہ اَوَّلْدَسِ لَا یَبْکِدُ تو نہیں کہنے دیجئے کہ ہم بیٹوں کو دیکھ کر ہلاک اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہاں سالہا سال پھیلتی ہوئی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو دسے بازی کا ایک نہ ٹوٹنے والا تسلسل نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مولانا حسین احمد صاحب دہلی نے قائد اعظم سے تیس ہزار روپے طلب کئے۔ مگر قائد اعظم نے انکار کر دیا۔ اس سے ابوالکلام صاحب کی معرفت ساٹھ ہزار میں سودا ہو گیا اور برادران وطن بن گئے۔ اب مفتی محمود صاحب نے جناب شورش کے قول کے مطابق صدر جنرل محمد ایوب خاں سے دو لاکھ روپے میں اپنے دوٹ کا سودا کیا تھا۔ اسی طرح جناب ذوالفقار علی بھٹو دسے بازی ہوئی اور سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے حال یہ کہ جہاں سے کچھ مل گیا وہ برادر ہندوستان میں تو سیاسی بلیک میلنگ جاری۔ اور یہ جراثیم چھوٹوں سے لیکر بڑوں تک میں یکساں سے موجود ہیں۔ یہاں بجا طور سے کہنا پڑتا ہے کہ

ایک ہم ہیں کر لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

بہر صورت اس جہاد میں پٹھانوں نے تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اور سکھوں نے انگریزوں سے کرلی اور مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی فتح کے یقینی اہامات حمایت قتل کر دیے۔ تو پہلا دور ختم ہوا۔ اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزوں کی چال بہت گہری تھی۔ وہ بیک وقت تین قوتوں کو کمزور کر رہے تھے "سکھوں" پٹھانوں اور سید صاحب مجاہدین کی

مکمل صورت یہ کہ پورا برصغیر ہڑپ کرنا چاہتے تھے بلکہ انکی حوصلیں نگاہیں کابل و غزنی کی طرف تھیں۔ سرحد و پنجاب کو پار کر رہی تھیں چنانچہ جب تک دہلی سکھوں اور پٹھانوں کے خلاف تھے۔ انگریز نہایت خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا اور دونوں فریقوں کے درمیان سے سرفراز کرتا رہا۔ اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ پٹھان اور سکھ دونوں ہی کمزور ہو جائیں گے تو انہوں نے سکھوں سے صلح کر لی اور مجاہدین کو جنگ بندی کا حکم دیدیا۔

(اسی آگے آ رہی ہے)

۱۸۳۱ء میں جنگ بالا کوٹ کے
مجاہدین کا پہلا، دوسرا اور تیسرا دور
بعد تحریک مجاہدین کا دور اول ختم ہو گیا اور
مجاہدین کی انگریزوں سے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

۱۸۴۱ء میں مولوی نصیر الدین کے انتقال کے بعد (بقول مولانا مہر اور ایوب قادری) تحریک مجاہدین کا دوسرا دور بھی ختم ہوا اور اس میں بھی انگریزوں سے جہاد کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں مولانا ولایت علی کو تحریک مجاہدین کی قیادت سپرد ہوئی اور یہاں تک کہ تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ حالات و واقعات جناب ایوب قادری سے سنئے۔

مولانا ولایت علی نے تحریک مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اسوقت کمشنر کے راج گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سایہ میں جا کر پناہ لی جو اسوقت تک پنجاب کے ایک حصے پر قابض اور ملکی معاملات میں پوری طرح دخل ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۸۴۱ء میں تمام پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ۱۸۴۱ء سے تحریک جہاد کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے۔ چونکہ اب تک مقابلہ سکھوں سے تھا اس لئے سرکار کمپنی خاموش تھی۔ جب پنجاب پورے طور انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین کی سرگرمیاں انگریزی حکومت کو ایک نظر نہ بھائیں۔

حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر مولانا ولایت علی اور انکے بھائی مولانا غنیات علی اپنے وطن پٹنہ پنچے اور وہاں مجسٹریٹ کے سامنے دو حال کیسے چکائے (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

کیا انصاف پسند حضرات جناب ایوب قادری کی مندرجہ بالا عبارت پر غور کریں گے۔ اس عبارت سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء تک انگریزوں نے اس وقت اور اس روایت کے بعد یہ بات بھی ناقابل یقین ہے کہ انگریز مجاہدین سے مولوی محمد سیخ خوسفردگی کی وجہ سے انگریز مجاہدین کیلئے اسلحہ فراہم کرتے تھے۔

اور یہ کہنا کہ حضرات مجاہدین خالص لوجہ اللہ جہاد فرماتے تشریف لے گئے تھے اور بھی محل نظر ہے۔ درنہ بتائیے کہ وہ کیا مصلحت تھی کہ ولایت علی اور مقامیت علی صاحبان جہاد ترک کر کے بلند و بالا پہاڑوں سے نیچے اترنا پڑا حیات سید احمد شہید کے والد صاحب فیضی اپنی کتاب آزادی کی ان کہی کہانی میں لکھتے ہیں۔

جب گلاب سنگھ اور سرکار انگریزی کا آپس میں معاہدہ ہو گیا تو اس وقت سرکار انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی صاحب لکھا کہ اب گلاب سنگھ سرکار انگریزی کی حمایت میں ہے اس وقت اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اس کے ساتھ لڑائی بند کر دو۔

(آزادی کی ان کہی کہانی)

اور پھر اس حکم نامہ کے تحت جنگ بن گئی فیضی صاحب لکھتے ہیں

اس کے بعد لڑائی بند کر دی، ہتھیار سرکار کے پاس جمع کروائے اور قیمت وصول کر لی اور انگریزوں نے مجاہدین کا شاندار استقبال کیا اور ان کی دعوتیں بھی کہیں۔

(آزادی کی ان کہی کہانی ص ۱۱۱)

ان واقعات کی تفصیل، حیات سید احمد شہید سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی محمد جعفر نقوی

اس وقت انگریزی سرکار نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی صاحب اس مضمون کا لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکار انگریزی سے معاہدہ کیا ہے۔ اور اس معاہدہ کے بموجب وہ انگریزی کی حمایت میں ہے اس وقت اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اب اس کے ساتھ لڑائی بند کر دو۔

(حیات سید احمد شہید ص ۱۱۱ جعفر نقوی)

ملاحظہ فرمائیے۔

اس وقت مجاہدین اور روحانی فوج لڑنے کی تیاری میں مگر مولوی ولایت علی صاحب نے اس کو قرین مصلحت نہ سمجھ کر انگریزی سرکار کے افسروں کی اطاعت قبول کر لی۔ (حیات سید احمد شہید ص ۱۱۱)

ولایت علی کی لاہور میں آمد

دونوں حضرات (یعنی میرا والا علی اور مولوی ولایت علی) مع فوج و توپ خانہ وغیرہ سامان جنگ کے لاہور پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر پنجاب کے چیف کمشنر تھے چیف کمشنر صاحب بہادر نے دو منزل آگے بڑھ کر مولوی صاحبوں کا استقبال کیا اور نہایت گرم جوشی سے ان کو لاہور لائے اور بہت تعریف اور مدح و شجاعت اور ہمدردی ان حضرات کی کر کے۔ ضامن شاہ رئیس بالا کوٹ پر اسکی بیوفائی کی وجہ سے بہت تقریب کی اور بہت سی گفتگو کے بعد جان لارنس صاحب بہادر اور ان دونوں حضرات کے درمیان یہ بات قرار پائی کہ دونوں حضرات مع ان ہندوستان مجاہدین کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور تمام اسلحہ جات مع توپ خانہ انگریزی سرکار کے ہاتھ فروخت کر کے روپیہوں کی بقایا تنخواہیں دے کر انکو برخواست کر دیں۔

(حیات سید احمد شہید ص ۱۱۱)

اور یہی تھا فیضی صاحب لکھتے ہیں۔ آخر کار ۱۸۴۵ء یعنی سرکار بالا کوٹ کے پندرہ برس کے بعد سلطنت پنجاب متعصب سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ہماری عادل سرکار کے قبضہ میں آئی۔ کتاب مذکور ص ۲۹۱

مجاہدین کی دعوتیں اور پلٹنے کو روانگی

دعوتوں کے سلسلے میں ہم دو حوالے "میرت سید احمد شہید مصنفہ جناب ابوالحسن علی ندوی ص ۱۱۱" سے اپنی کتاب ہمتی کے دانت میں لکھ چکے ہیں۔ اور وضاحت کی ہے کہ یہ مجاہدین حضرت کس طرح انگریزوں کی دعوتیں اڑایا کرتے تھے۔ اور انگریز کس طرح ان کے لئے کھانے پکوا پلا

لڑ چشم براہ رہا کرتے تھے وہ جہاد سے پہلے کی ابتدائی دعوتیں تھیں اور اب حصول ملازمت کے لئے
دعوتیں بھی دیکھئے۔

سرجان لارنس صاحب بہادر نے ایک روز گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے مولوی
صاحب کی مع کل مجاہدین کے دعوت کی اور دوسرے روز خود صاحب ممدوح نے
اپنی طرف سے قافلہ کی دعوت کی قیسرے روز مولوی رجب علی صاحب نے
چیف کمشنری پنجاب کے میسرمنشی تھے دعوت کی اسکے بعد اپنے خیریت سے
انگریزی سرکار نے ہاتھم و اکرام مولوی صاحب کو مع بقیہ مجاہدین کے پیشہ جہاد
(حیات سید احمد شہید ص ۳۲)

یہ تمام باتیں ہمارے اس موقف اور نظریات کی تائید کرتی ہیں کہ ان مجاہدین نے انگریزوں
کے کسی بھی کوئی باقاعدہ جنگ نہیں کی بلکہ انگریزوں کی سازش کا شکار ہوئے، یا پھر انگریزوں
سی سودے بازی کرتے رہے یعنی ادھر تم ادھر ہم، مگر انگریز ان سے کہیں زیادہ ہالاک
نے انکی ہر سیاست پٹ کر دی اور وہابی اسٹیٹ کے قیام کا خواب درہم برہم ہو گیا
ان حضرات نے انگریزوں کے عطا کردہ ہتھیاروں کے بل بوتے پر مسکھوں سے جنگ کی
مانوں کو پامال کیا۔ اور انگریزوں کی گلاب سنگھ کی صلح کے بعد ہتھیار مع توپ خانہ انگریزوں
والپس کر دئے (اور انعام بنام فروختگی ہتھیار حاصل کئے)

بہت چھانڈل کا قتل بنام جہاد بطور منافع ملا اس باب میں جناب مسعود عالم صاحب ندوی رقمطراز
اس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جو رہی تھی۔ راجہ کو
شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سامنے میں جا کر پناہ لی جو اسوقت تک
پنجاب پر قابض ہو چکے تھے حکومت نے مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب
گلاب سنگھ پر حملہ خود انگریزی حکومت نے لڑائی مول لینا ہوگا
حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعہ مسکھوں کی طاقت توڑ دی جائے اسلئے شروع
شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی لیکن پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں
کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگے۔ مجاہدین بھی

اور ان حکومت سے بزدل آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھتے تھے
(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۵۵)

اس روایت کے بعد بھی کوئی شک و شبہ رہ جاتا ہے یہی بات جو سید صاحب کے بہت
ساتھ لکھی ہے اگر کوئی اور کہدیا تو خوفناک دھماکوں سے زمین تھرا اٹھتی۔ مگر یہ بات
مسعود عالم صاحب ندوی نے فرمائی ہے اس لئے اسٹیج خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ گلاب
سنگھ اور مجاہدین اور انگریزوں کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا وہ انگریزوں کے
دور میں انگریزوں کا مقصد تھا جو قیسرے دور میں پورا ہو گیا۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب مجاہدین کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد تھا۔ یعنی پہلے
انکو کو تم کر کے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے پٹھان مشرکوں کی صفائی تھی۔ پھر مسکھوں کی پھر انگریزوں
جہاد تھا تو مسکھوں کے خاتمہ کے بعد توپ خانہ انگریزوں کے حوالے کیوں کر دیا گیا اصل
یہ کتاب شروع ہونا تھا پھر خلاف مصلحت اور "خواجہ" کیوں ہو گئی۔ مینو تو جبراً
کھیر پکاٹی جتن سے چرخہ دیا جلا آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

یوں تو سید بادشاہ
اباموں کے بادشاہ

حضرت کا الہام اور چھوٹے حضرت کی تاویل

یہ پوری تاریخ نت نئے الہاموں سے لبریز ہے اگر ان بڑے حضرت کے الہامات ہی جمع
کئے جائیں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب جمع ہو سکتی ہے۔ مگر ہم یہاں بطور تبرک مولوی محمد جعفر
کشمیری کی کتاب "حیات سید احمد شہید" سے صرف "اقتباس درج کرتے ہیں اور قارئین
اور ملکر کی دعوت دیتے ہیں۔

سید محمد یعقوب کی روایت | سید محمد یعقوب آپ کے بھانجے سے روایت ہے کہ قریب
روانی خراسان آپ اپنی ہمیشہ یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے رخصت ہونے لگے
تو آپ ان سے فرمایا کہ اے میری بہن میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اور یہ بات
یاد رکھنا کہ جب تک ہندو کا شرک اور ایران کا رنض اور چین کا کفر اور افغانستان کا
افغان میرے ہاتھ سے جو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائے گا اللہ رب العین بخیر نصیب

اگر قبل از ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق
حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے دو بروہر گیا یا مارا گیا تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ
کرنا کیونکہ میرے رب نے مجھے وعدہ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کرے گا
(حیات سید احمد شہید محمد جعفر نقانیر ص ۱۸۷)

۲۔ ملاحظہ مکتوبات احمدی جس میں سید صاحب کا اصل مکانی الضمیر بڑی صراحت کیا ہے
بسیوں مختلف واقعات پر ظاہر کیا گیا ہے اور اکثر ملفوظوں کی تحریر سے واضح ہوتا ہے
کہ ”وعدہ فتح پنجاب“ کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اسکو سرسراہق اور ہر حال
بات سمجھ کر بار بار فرمایا کرتے تھے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں
جو دوسرے شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے
ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھکو موت نہ آئے گی لیکن واقعہ بالا کوٹ
”خواہ شہادت ہو خواہ غیبیوت“ بظاہر اس یقینی الہام کے سراسر خلاف ہوا اب اس کا
جواب یہی ہے کہ از روئے اصول شریعت محمدی کے الہام ایک ظنی چیز ہے اور اسکی
تاویل وغیرہیں سو طرح کی غلطیوں کا گمان ہوتا ہے۔ یہ تو ضرور ہوا کہ وقوع کے
پندرہ برس بعد سلطنت پنجاب متغیبا اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر
ایک ایسی عادل اور آزاد اور لائندہ قوم کے ہاتھ میں آگئی کہ حکومت مسلمان
اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل
یہی ہوگی جو ظہور میں آئی۔

حیات سید احمد شہید ص ۱۸۷

دیکھئے یہ کیا کہ رہے ہیں یعنی انگریزوں کی فتح کو ہم مسلمان اپنی ہی فتح تصور کرتے ہیں۔ کیا اس سے
ی ممکن ہے۔ اور یہ کیوں نہ ہو کہ سید صاحب اور ان کے مقلدین انگریزوں کی حکومت اور عملداری کا
عملداری سمجھتے تھے۔ ع۔ بین تغادات رہ از کجا است تا کجا

سید احمد شہید اور شیخ اکرام کی گواہی
اب دونوں حضرات سید صاحب کے مدد میں
انکی گواہی یقیناً مضبوط گواہی ہے جناب

۱۔ سرور صاحب افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں سرحد یار بیز کے مقام پر گیا۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید
اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے ادھر
چلے گا وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا
وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے
کس بڑی حالت میں ہے اور اسکی گذران اور اسکی زندگی کس طرح صابزادہ عبدالقیوم
خال کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہین منت ہے
(از امتیاز حق ص ۱۷۷ راجہ غلام محمد)

تقریباً یہی بات جناب شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی کہی ہے مگر انداز میں کچھ فرق ہے ()
ان دلی دلی سی ہے اور لہجہ مدہم مدہم سا پھر بھی اگر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے
سہماتے ہیں۔

بلکہ کبھی کبھی تو یہ خیال آتا ہے کہ بعض سربراہ آوردہ مجاہدین (مثلاً مولانا محمد بشیر
جنکے مولانا مہر بیچمداد ہیں۔ اور جنہیں امیر حبیب اللہ خاں بارہ ہزار روپے سالانہ
تنظیمی اخراجات کیلئے دیا کرتے تھے) دوسری قوتوں کا آلہ کار تو نہیں بن گئے تھے
امیر نعمت اللہ کے زمانے میں اسمت کے جو چشم دید حالات مولانا محمد علی قصوری
نے لکھے ہیں ان کو پڑھ کر طبعیت کو دکھ ہوتا ہے۔
(موج کوثر ص ۵)

مولانا محمد بشیر کی کہانی
یہ تو جناب شیخ اکرام کا اشارہ ہے ورنہ وہ باتیں جو جناب محمد علی قصوری
نے تحریر فرمائی ہیں قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں مولوی
بشیر احمد کا اصل نام مولوی عبدالرحیم تھا قصوری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بڑی قابلیت اور سیاسی
سوچ بوجھ کے مالک تھے۔ یہ امیر صاحب (امیر حبیب اللہ سے رقم لیکر چلے گئے اور ایک ہفتہ
کے بعد واپس آئے تو بیک کامیاب تھے گویا انھوں نے امیر صاحب کا کام کر دیا تھا اور افغانستان کے
ملاوہ سے امیر صاحب کی اطاعت کے خطوط حاصل کر لئے تھے۔ دوسرے ملفوظوں ان مجاہدین کو

جو امیر حبیب اللہ اور انگریز دونوں قبضے میں نہیں تھے انہوں نے امیر حبیب اللہ کا مطیع کرنا دوسرے لفظوں میں امیر حبیب اللہ کی اطاعت انگریزوں کی اطاعت تھی۔ امیر حبیب اللہ ان اطاعتی خطوط سے اتنے خوش ہوئے کہ انھیں ملا بشیر کا خطاب عطا فرما دیا بلکہ ان کے لئے اپنی طرف سے مختار نامزد کر دیا امیر حبیب اللہ کو انگریزوں نے تخت نشین کیا تھا اور اسے اٹھارہ لاکھ روپے صرف اس لئے ادا کرتے رہے تھے کہ امیر صاحب افغانی قبائل کو بریلغار کرنے سے روکتے رہینگے اور امیر حبیب اللہ غالباً یہ کام مولوی بشیر سے لیتے تھے اگر تاہم کچھ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ امیر حبیب اللہ دوسری پالیسی پر عمل کرتے تھے ایک طرف انگریزوں کو وفاداری کی یقین دہانی کروانے اور دوسری طرف بجاہدین سے وعدہ وعید کرتے رہتے تھے تاکہ ان کی ضرورت کام آئیں۔

کیا شیخ صاحب نہیں جانتے کہ بات جب دکھ کی ہو تو دکھ ہی ہوتا ہے۔ مداحین اس وقت جتن سے مجاہدین کی شان و عظمت کا ایک گھردنہ بناتے ہیں اور پھر اچانک ہی اس کا ایک جھوٹکاریت کے ان گھردنوں کو ناپو کر دیتا ہے۔

زم مشاہدات کابل و یاغستان
زیر قلم مصطور کے ہا سے میں یہ خاکسار بھی وہی کہ میں
کر گیا جو مولانا محمد علی قصوری نے لکھا ہے کہ ان
الات و واقعات کو پڑھ کر عبرت حاصل کیجئے جناب قصوری تحریر فرماتے ہیں

زبردست اسلاف کے جانشین نہایت نالائق اور نااہل لوگ بن گئے۔ جنہوں نے عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور اہل و پیہ کو جو جہاد کیلئے بھیجا جاتا تھا اپنی عیش پرستیوں کیلئے برباد کرنا شروع کیا۔ چونکہ اہل جماعت کے سرحدی لیڈروں کی سرگرمیاں پچھلے پچاس سال میں نہایت شرمناک رہی اور وہ عام مشائخ اور پیروں کی طرح ہر قسم کے فریب اور جھوٹ سے اپنی دکان کی رونق بڑھاتے رہے ہیں اور ہندوستان کے نہایت مخلص آدمیوں کو بھی اپنا آلہ کار بنانے سے نہیں چوگے (اور میں خود بھی ان کے فریب کا شکار رہ چکا ہوں) اس لئے میں

ہا ہا ہوں کہ ان کے پوختہ کندہ حالات بیان کروں اور مجھے ان کے درمیان رہ کر ان حالات کا علم ہوا انھیں جماعت اہل حدیث اور عام مسلم پبلک کے فائدے کیلئے بے نقاب کر دوں تاکہ لوگ آئندہ انکی دھوکہ بازیوں سے بچیں۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۹۲)

مجاہدین کا بیت المال
جبکہ بلا غم و غم غیرے مالک امیر المجاہدین جناب نعمت اللہ صاحب تھے اور اللہ کی یہ تمام نعمتیں انھیں کے لئے وقف تھیں وہی اسکے مالک و مختار تھے جسکو چاہتے نعمتوں سے نوازتے اور جس کو چاہتے محروم کرتے۔ جناب قصوری لکھتے ہیں۔

کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنا حاکم نہ تھا میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنا جسارت کی مگر اسکا جواب یہ ملا کہ رات کو چپکے سے امیر صاحب کے معتمد انھیں ختم دیتے تھے۔ اور پھر اسکا ذکر بھی کوئی نہ کرتا تھا۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۰۱)

امیر نعمت اللہ اور سپہاڑوں کی بیٹیاں
محل وقوع کے اعتبار سے وہ علاقہ نہایت حسین، پر فضا، جنت نظر تھا۔ پھولوں سے زار وں کی بہتات تھی، چشموں کی فراوانی نے ہر طرف حسن و شادابی بکھیر رکھی تھیں۔ مولانا محمد علی نے ان علاقوں کے حسن کے جمال کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو اس جماعت کی غنائی اقتدار امیر نعمت اللہ کے ہاتھوں میں تھی۔

امیر نعمت اللہ مرحوم مسلمان امداد و مشائخ کی طرح عورتوں کے بیحد شوقین تھے تین تین کی نکاحا بیویاں تھیں اور وہ بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے امیر حبیب اللہ خاں کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انھیں نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گنتا تھا۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۰۸)

ایک خاص حلقہ ان لوگوں کا تھا جو امیر صاحب کے حوالی موالی تھے انہیں ان خدمات کے صلے میں امیر صاحب ہمیشہ داد و دہش سے نوازتے رہتے تھے ان سے بعض لوگ تو امیر صاحب کے جاں نثار خدام میں سے تھے جو امیر صاحب کے آدنیٰ اشارے پر ہر قسم کے جہازم کرنے پر آمادہ و تیار رہتے تھے مثلاً اگر امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اسکے کو پیدا ہونے کے بعد گلا گھونٹ کے چپکے سے دریا برد کر دیتا امیر صاحب کی عادت تھی۔ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادماؤں اس طرح الگ کیجاتی تھیں۔ انکی شادیاں انہیں لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی۔ اور اُسے نہایت عمدہ چیز اور ماہوار خرچ ملجاتا تھا اور یہ امر اس درجہ فیسک تھا کہ ان میں سے جو بڑی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد ہی امیر صاحب کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔

(مشاہدات دہلی و یاغستان ضلہ)

ب اور اندوہناک انکشاف

بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سب ان اللہ اور ان سے چھوٹے ماشاء اللہ انکا مجموعہ لاجول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اگر یہ لوگ واقعی اللہ کے بندے ہیں تو انکی غفیرہ کاروائی تو بالکل ہی مندرجہ میں رہنے والے جاں نثاروں کی طرح ہونی چاہیے۔ اور انکی غفیرہ کاروائی نے تحریر فرمایا۔ بلکہ یہ لوگ یقیناً اسی فطرت کے تھے تو انہیں کیا جاہلیگا۔

کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ان کا سارا پروگرام ہی سو منامتھ کے پنڈتوں کی طرح تھا۔ ان میں سے بہت سے ذہن کو جھنجھوڑا رہا ہے۔ کہ یہ لوگ ہندوستان اگر اپنے بال بچوں میں نہ رہے کیوں پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تھے۔ اسکی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ ان حضرات پہاڑوں میں بھی ”بال بچے“ بنائے ہوئے تھے اور بے شمار چندوں پر عیش کرتے تھے۔

ایک خاص حلقہ ان لوگوں کا تھا جو امیر صاحب کے حوالی موالی تھے انہیں ان خدمات کے صلے میں امیر صاحب ہمیشہ داد و دہش سے نوازتے رہتے تھے ان سے بعض لوگ تو امیر صاحب کے جاں نثار خدام میں سے تھے جو امیر صاحب کے آدنیٰ اشارے پر ہر قسم کے جہازم کرنے پر آمادہ و تیار رہتے تھے مثلاً اگر امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اسکے کو پیدا ہونے کے بعد گلا گھونٹ کے چپکے سے دریا برد کر دیتا امیر صاحب کی عادت تھی۔ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادماؤں اس طرح الگ کیجاتی تھیں۔ انکی شادیاں انہیں لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی۔ اور اُسے نہایت عمدہ چیز اور ماہوار خرچ ملجاتا تھا اور یہ امر اس درجہ فیسک تھا کہ ان میں سے جو بڑی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد ہی امیر صاحب کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔

نعمت اللہ کے بعد انکے برادر امیر رحمت اللہ جماعت میں صاحب اثر و سرور تھے مگر چونکہ بیت المال امیر نعمت اللہ کے قبضے میں تھا اس لئے ہر شخص امیر صاحب کی نظر عنایت کا محتاج تھا ورنہ فاقہ کشی سے خاتمہ یقینی تھا۔ امیر نعمت اللہ نے اس قدر ہوشیاری سے اپنا جاں بچا رکھا تھا کہ کوئی شخص انکے سامنے دم نہ نہا سکتا تھا۔

رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھے۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا تو انہیں نوجوان کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر بنا رکھا تھا۔ امیر نعمت اللہ کی اولاد نیزہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا۔ جو نابالغ اوقات نرسال کا تھا لڑکا خاصا خوبصورت اور بگڑا ہوا صاحبزادہ تھا ہر وقت دو تین اوباش نوجوان اسکی مصاحبت میں رہتے اس لئے اس کا آوارہ ہونا لابدی تھا۔

(مشاہدات دہلی و یاغستان ضلہ)

شرمناک ہتکنڈے

ایک تھے مولوی ولی محمد صاحب جنکا نام مولوی محمد موسیٰ رکھا گیا تھا مال یہ تھا کہ خاوند نادری کوئی اہلی نام سے رہتا تھا یہ کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام بھی محمد سلیمان رکھا گیا تھا۔ حامل یہ کہ مولوی محمد صاحب پنجاب کے نہایت مخلص کارکن تھے بے شمار چندہ بھیجا کرتے تھے یہ جب ان پہنچے تو۔ قصوری صاحب سے

امیر نعمت علی نے مولوی محمد موسیٰ کو (ولی محمد کو) اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے پہلے انکی شادی ایک خوبصورت لڑکی سے کر دی اسکے چند ماہ بعد ایک دوسری خوبصورت لڑکی

... سے ان کی شادی کر دی اب ان کی دو بیویاں ہو گئیں۔ پھر میر تقی میر نے اپنی بیوی محمد موسیٰ صاحب بالکل مغلوج ہو گئے جناب قصوری صاحب انکی زبانی کہتے ہیں

پہلے انہوں نے امیر نعت اللہ کی بدعنوانیاں، ان کا عورتوں کیساتھ شعلت اور جہاد سے غفلت و اعراض جماعتی فنڈ کو اپنے اغراض مشورہ کی تکمیل کے استعمال کرنا سب پیش کئے۔ اور کہا کہ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میں پنجاب کے متعلق اتنا جھوٹا پروپگنڈا کرتا رہا اور لوگوں کو جماعت کے فرضی کارناموں کی داستانوں سے اپنی طرف مائل کرتا رہا یہاں آکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں حالت خواب میں تھا اور اب آنکھیں کھلی ہیں تو ایک بھیانک منظر سامنے ہے۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۱۳)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی اکثر داستانیں فرضی اور جھوٹی ہیں۔ مولانا قصوری کا اظہار حقیقت بلا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے

یہ مسئلہ انقلابی تحریکیں لیڈر پیدا کرتی ہیں یا لیڈر اپنی ہوشیاری اور قربانی سے انقلابی تحریکوں کو چلاتے یا کامیاب بناتے ہیں مرغی اور انڈے کے مسئلے کی طرح ہے مگر ہم نے تو آزما کر دیکھا کہ اکثر تحریکیں لیڈروں کی ناعاقبت اندیشی یا بزدلی سے ناکام ہو گئیں ہندوستان میں ہم نے مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کی تحریک اٹھائی مگر اس میں بھی غلطی ہو گئی مولانا ابوالکلام کو انام الہند بن کر تمام تحریک ان کے بل بوتے پر کھڑی کی لیکن عین وقت پر آزادی بزدلی نے تمام کھیل بگاڑ دیا۔ اور سارے کاسارا محل جسکی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے تھا اور سیکڑوں مسلمانوں نے اسے اپنے خون سے سینچا مولانا کی گریز پائی کیونکہ ان کی آن میں دھرم سے نیچے آگرا۔

اس طرح سلطان ابن سعود کی تحریک "الافوان" جسکے متعلق اچھے اچھے مبصرین خیال تھا کہ عرب کی کاپیٹلٹ سے گی وہاں لیڈروں کی نالائقی اور کوتاہ اندیشی کا شکار رہی حال ہماری تحریک کا ہوا۔ ہماری تحریک ایک ہتھ زبردست انقلابی تحریک بنی ہوئی ہے

محمد حبیب اللہ کی ذات بھی اور اپنے حسن ظن یا نا تجربہ کاری کی بنا پر نہ سوچا کہ امیر حبیب اللہ کی عظمت کو کیونکر ترک کر سکتا ہے۔

(ص ۱۱۳ مشاہدات کابل و یاغستان)

جناب ایوب قادری صاحب اپنی کتاب "جنگ آزادی" ۱۹۵۴ء میں علمائے اہل سنت پر خاصے برہم نظر آتے ہیں۔

اس میں تو خوب گرجے برے بھی ہیں۔ جناب قادری کی نظریں وہابیوں کی پامالی اور شکست کی ناکستردہ داری علمائے اہل سنت پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے سنی علماء پر خاصی تنقید کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی لگے ہاتھوں وہابیوں کا بھی تیا پاجا کر ڈالا ہے۔ اور شاید خوش و خوبرو بہت سی دھکی چھپی باتوں کا اظہار بھی ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں

مولوی محمد حسین صاحب بناوٹی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ "الاقتصار فی مسائل الجہاد" ۱۹۵۲ء میں لکھا انگریزی اور عربی زبانوں میں اسکے ترجمے ہوئے۔ یہ رسالہ سرچارلس ایچسن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا۔

جنگ آزادی ۱۹۵۶ء ص ۷۲

یہی نہیں بلکہ اس کا ذخیرہ کیلئے ملک کے دور دراز علاقوں کا سفر بھی کیا اور ملک بھر کے علمائے اہل حدیث سے توافق و تائید بھی حاصل کی جناب سعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں

اس کتاب پر مولوی محمد حسین بناوٹی انعام سے بھی سرفراز ہوئے جماعت اہل حدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اور یہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوب پیدا کی۔ نہ صرف یہ ہوا بلکہ موصوفی علماء سرکاری مخالفت کے طعنے بھی دئے۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۱۲)

یہی مولانا ندوی اس کتاب میں فرماتے ہیں۔

معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اسکے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انھیں

جاگیر بھی ملی تھی اس رسالہ کا پہلا حصہ پیش نظر ہے۔
(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹)

اگر بغور دیکھا جائے تو پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا۔
موسیٰ عبدالمجید خاں سوہدروی سیرت ثنائی کے ص ۲۴۲ میں جو کچھ لکھا ہے۔ اُسے ہم
ب قادیانی بیان فرماتے ہیں۔

موسیٰ محمد حسین بٹالوی نے اشاعت السنہ کے ذریعہ اہل حدیث کی بہت خدمت
کی لفظ دہانی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا
اور جماعت کو اہل حدیث کیساتھ منسوب کیا گیا آپ نے حکومت بھی کی اور انعام
میں جاگیر بھی پائی

دجنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۵

امی کی فخریہ پیشکش

اگر ان حضرات سے یہاں یہ کہہ دیا جائے کہ وہ تو
امیدیں خدا سے ناامیدی، تو ناراض ہو جائیں گے اور یہ
ماراجاہ و جلال غریب علما سے اہلسنت کی طرف الٹ پڑے گا۔ حیرت ہے کہ یہاں
خاصہ توحید میں ذرا بھی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اور یہاں یہ بھی یاد ہے کہ اسی سلسلے میں بٹالوی صاحب نے متعدد درخواستیں بھی دی
گورنروں کی خوشامدیوں اور چالوں سیال بھی کی تھیں اور کاسہ لیس کی انتہا کر دی تھی
اب ایوب قادری لکھتے ہیں!

اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ و دفا دار عایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک
بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت
رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں
اور اس امر کو اپنے قوی دلیل وکیل "اشاعت السنہ" کے ذریعہ سے جسکے متا جلد ۶ میں
اس امر کا بیان ہوا ہے اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ، گورنمنٹ آف انڈیا
میں پہنچ چکا ہے گورنمنٹ پر ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی

لکھ دیا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے ظاہر ہونگی امید ہو سکتی ہے
(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۶)

ان واقعات کی تفصیلات اشاعت السنہ لاہور جلد ۱ شمارہ ۷۱ اور ۳۹ ماہر صدیقی ص ۱۶۲
میں لکھا گیا ہے۔ اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جولائی پر جو اڈریس مولوی محمد حسین بٹالوی
نے مسلمانان اہلحدیث کی طرف سے پیش کیا تھا اُسے بھی ایوب قادری کی زبانی ہی سننے چلیں

یعنی ہی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے بخلات دوسرے
اسلامی فرقوں کے کم ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی آزادی حاصل ہے
اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے
قیام اور استحکام سے زیادہ مصرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی
حدائیں زیادہ زور کیساتھ نعرہ زن ہیں

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

سرکار پرستی اپنے عروج پر
کیا یہ تصویر انھیں لوگوں کی نہیں؟ جنگی بے پناہ انگریز
دشمنی کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے جنگی شجاعت بہادری
کے نقاسے بجا رہے اور جن کی دینی غیرت کے ترانے گائے جا رہے ہیں
ہمارا خیال ہے کہ حکم جہاد کی منسوخی پر صرف دو ہی گروہ نے فتائے شایع کئے ہیں ایک
قادیانیوں نے دوسرے انکے ہم قافیہ دہابیوں نے

قادیانیوں نے بھی برٹش گورنمنٹ کو غنیمت اور ذریعہ نجات سمجھا اور دہابیوں نے بھی
انگریزی سرکار کو سائیہ و ہاب سمجھا قادیانی بھی انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت پر ترجیح
دیتے تھے اور دہابی بھی انگریزوں ہی کو مادی ملجا سمجھتے تھے قادیانیوں کی مرتبی بھی یہی سمندر
ہر کی مخلوق تھی اور دہابیوں کے سرپرست بھی یہی گویے لوگ تھے

قادیانیوں کو بھی کسی دوسری اسلامی سلطنت میں جائے پناہ نہیں تھی اور دہابیوں کو
میں کوئی حکومت خوش آمدید کہنے کیلئے تیار نہیں تھی

جناب ایوب قادری نے دہابیوں کی بابت بہت کچھ لکھا ہے مگر اصل بات لکھنے

شاید وہ بھی کتر اگئے ہیں۔ اسوقت ہمارے پیش نظر بھی "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" ہے جو ۱۸۹۶ء میں لکھا گیا یوں تو اس کی ایک ایک سطر قابل دید بلکہ لائق توجہ ہے۔ ہم صرف ضرورتاً ایک دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ثمالوی صاحب لکھتے ہیں

مفسدہ مسند میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہگار اور حکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر ان کے عوام کا لالچ تھا بعض جو خواص علماء کہلاتے تھے وہ اصل علوم دین و قرآن سے بے بہرہ تھے یا نا فہم تھے یا غیر اور مجہد علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس عذر کو جہاد بنانے کیلئے مفسدہ لے پھرتے تھے انہوں نے خوشی سے دستخط کیے اسکی تفصیل ہم اشاعت السنۃ ۱۲۰۵ء میں کر چکے ہیں

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے جنکے امن و عہد میں رہتے تھے نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد حصہ اول ص ۵۸)

اسے دروغ گوئی کی انتہا کہا جائے یا چا پلوئی کی حد آج تک مجاہدین آزادی ۱۸۵۷ء کے قاتنی دل آزار باتیں شاید انگریزوں نے بھی نہ کہی ہوں جتنی ان خوشامدی لوگوں کی ہیں آزادی کے متوالوں، وطن کے پاسباؤں کو مفسد، گناہگار، باغی، بدکردار کہنا صرف انہیں کو زیب دے سکتا ہے جنکے دلوں سے ایمان و غیرت کی آخری کرن بھی خارج ہو چکی ہو اس علمائے کرام کو علوم دین سے بے بہرہ اور نا سمجھ کہنا کینگی کی انتہا ہے۔ بہر صورت

مولوی اسماعیل نے یہ اعلان دیدیا تھا کہ سرکار انگریزی پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہی اس سے مخالفت ہے صرف ہم حکموں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے ہیں یہی وجہ تھی کہ حکام انگلیشہ کو بالکل خبر نہ ہوئی اور نہ انکی تیاری پر مانع ہوئے

(حیات طیبہ ص ۲۰۱)

میرزا میرت چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں

کہ لغت خوب جانتی ہے کہ اسکی سلطنت کی برکتوں کو فرقہ الہدیث نے کسی قدر تسلیم کیا ہے اور اسکی کیے فرماں بردار اور مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں (حیات طیبہ ص ۲۰۰)

میں احمد جعفری تحریر فرماتے ہیں

مولوی نذیر حسین جو دہلیوں کے معتد اور پیشوا تھے انکے گھر میں تو ایک نیم پھی بیٹھی تھی

(بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ص ۸۳)

عقاب ایوب قادری لکھتے ہیں۔

مولوی میاں نذیر حسین ابن جواد علی ... نے تو ایک طرف جہاد کے فتوے پر دستخط کئے اور دوسری طرف ایک انگریز مسٹر لیسن کو بھی پناہ دی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۱۱)

اور لکھتے ہیں مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے نقد انعام ملا۔ اس صلے میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوارخ عمری سے نقل کیا جاتا ہے

دہلی مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۷ء ڈبلیو جی ڈائر فیلڈ قائم مقام کمشنر دہلی مولوی نذیر حسین اور انکے بیٹے شریف حسین اور انکے دوسرے گھر والے عذر کے زمانہ میں مسٹر لیسن کے جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالت غروری میں انہوں نے ان کا علاج کیا ساڑھے تین مہینہ اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو بھیجا دیا

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء بحوالہ الحیات بعد الممات)

عقاب ایوب قادری اس کتاب کے ص ۱۱۱ پر لکھتے ہیں

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں

کو عطا کئے گئے تھے۔ مسٹر لیسن کی جان بچانے میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

نتیجہ ان احوال و واقعات کے پیش نظر کوئی بھی ذی فہم قاری حسب ذیل نتائج اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سید صاحب اور ان کے مجاہدین کے تذکرہ لکھتے والے حضرات نے حقائق سے زیادہ عقیدت و ابدیت سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعاتی شواہد انکا ساتھ نہیں دیا۔ سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کے تذکرہ نگار اس بات پر مصراحت ہیں کہ صورت حال کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ بہر حال انکی عظمت و شان بلند کرنیکی کوشش کرتے رہینگے۔

سید صاحب کے مؤرخ اس باب میں خود مضطرب ہیں کہ واقعہ جہاد کن لوگوں سے ہوا انگریزوں سے یا سکھوں سے۔ تاریخی حقائق انگریزوں سے جنگ کی نفی کرتے ہیں اس باب میں کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ تاریخ میں انھیں کے مؤرخین نے غلط کیا ہے۔ یعنی انگریزوں کے بجائے سکھ لکھدیا گیا ہے مگر واقعات سکھوں کی جنگ ثابت کرتے ہیں۔

مقصد جہاد میں حکومت الہیہ کا قیام ایک غلط پروپگنڈہ ہے کیونکہ جناب مولانا مدنی اسے فرقہ ادانہ گورنمنٹ قرار دیتے ہوئے اس عظیم مقصد کی تردید کر رہے ہیں اور پھر کہ خود مقصد جہاد میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

گذشتہ شہادتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس جہاد میں انگریزوں نے سید صاحب کیساتھ بھرپور تعاون کیا تھا اور سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور ان کے مجاہدین اپنے نہ ماننے والوں کو فنا کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ اور انہوں نے امامت و بیعت کی آزمائش خونریزی کا جواز پیدا کیا تھا۔

سید صاحب کے مؤرخ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سید صاحب اور ان کے مجاہدین فرنگی چال اور انکی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔

اور یہ کہ وہابی (الہی دین) انگریزوں کے انتہائی مطیع و فرماں بردار تھے اور سرکاری افہام یافتہ لوگوں میں تھے۔

اور یہ کہ وہابی انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت سے بہر صورت اچھا جانتے تھے اور یہ کہ وہابیوں نے جہاد جیسے اہم فریضہ کو انگریزوں کیلئے منسوخ قرار دیا تھا۔

جنگ حریت ۱۸۵۷ء

حیرت انگیز باتیں جنگ آزادی کا دور انتہائی بھیانک اور خوفناک دور تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر کا چپہ چپہ لوہیں ڈوب گیا تھا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔

ہندوستان کی بہکتی ہوئی شاداب سرزمین بارود کی ناگوار بو سے معمور ہو گئی تھی دردناک چیخوں اور غمناک روناؤں، دلداز آہوں کیساتھ ہی حریت پسندوں، آزادی کے متوالوں کے پر جوش نعروں سے ارض و سما کی پنہاٹیاں تھرا رہی تھیں۔ مجاہدین کی فائرنگ اور فرنگی توپوں کی گھن گرج سے دھرتی کا وسیع حصہ کانپ رہا تھا۔ ہر گلی، ہر کوچہ، ہر محلہ لاشوں سے ٹپا پڑا تھا۔ بسے بسے کوئیں عصمت مآب لڑکیوں اور عورتوں کی لاشوں سے لبریز ہو گئے تھے۔ مردوں نے خود بھی اپنی بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کی گردنیں کاٹ کر گولیوں سے پھلنی ہو گئے تھے۔ وہابی دردناک دور تھا۔ جب دہلی ہی نہیں ہر قابل ذکر شہر کی ہر گلی میں پھانسیوں کے پھندے نظر آتے تھے۔ ہر محلہ میں درجنوں لاشیں اپنی بیکیسی کا ماتم کر رہی تھیں۔

اس دور میں رد و غما ہونیوالے احوال و واقعات اور ان کے اسباب و بواعث پر بہرہ ور تحقیقات جاری ہیں۔ محققین الجھی ہوئی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ جسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے جیسے ماضی کے دبیز پردے ہٹتے جاتے ہیں۔ بے شمار ان کہی کہانیاں جنم لیتی جا رہی ہیں۔

اور وہ مؤرخین حضرات (جنکی اکثریت اب بھی اُس مکتبہ فکر سے وابستہ ہے جسے مولانا
 رک کے تاریخ کیساتھ نا انصافی کی ہے) اسی بات میں سخت مضطرب نظر آتے ہیں۔
 اس مکتبہ فکر کے مؤرخین حضرات فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے علماء دیوبند اور اس سے متعلقین
 نے انگریزوں سے سخت جنگ پیکار کی انہوں نے مفسدوں سے (جدید مؤرخین کی مانند)
 انگریزوں سے) نہایت خوفناک مقابلے کئے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور
 ظلم و ستم کے نشانے بنے۔ (مگر یہ حضرات انگریزوں کے باب میں دستاویزی شہادتیں
 دینے سے قاصر ہیں) اس کے ساتھ ہی سوانح نگار حضرات نے ایسی حیرت انگیز قلم کاریاں
 لکھی ہیں اور ایسی عجیب و غریب حکایات و روایات پیش کی ہیں کہ پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے
 مثلاً جناب ایوب قادری صاحب اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا یعقوب صاحب
 ب نانوتوی کی کتاب "سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مطبوعہ دیوبند" کے
 سے تحریر فرماتے ہیں۔

چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلوں کی آگئی اللہ سے مولوی صاحب (محمد قاسم
 نانوتوی) ایسے ثابت قدم تلوار باز تھے میں اور چند قہیوں کا مقابلہ۔ ایک بار گولی
 چلی رہی تھی کہ یکایک سر پر کڑ کر بیٹھ گئے۔ جس نے دیکھا جانا گولی لگ گئی۔ ایک
 بھائی دوڑ پڑے پوچھا کیا ہوا۔ فرمایا سر میں گولی لگی۔ عمامہ اتار کر دیکھا تو کہیں
 گولی کا نشان تک نہیں ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے کپڑے تر تھے۔ انھیں
 دونوں ایک نے بندوق ماری جسکے سمجھے سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی جل گئی
 اور کچھ قدمے آنکھ کو نقصان پہنچا خدا جائے گولی کہاں گئی۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۸۲ تا ۸۳ ایوب قادری

ب ان حضرات کو کون بتائے کہ شیشے کے محل میں بیٹھ کر پتھر بازی کا شغل مناسب
 نہ تھا۔ یہ روایت بدایت روایت کے خلاف ہے تلوار بمقابلہ بندوق تو غیر شاندار بات
 مگر تعجب یہ ہے کہ سر میں لگنے والی گولی کہاں گئی۔ حالانکہ وہ مجاہد کبیر فرماتے ہیں کہ
 یہ لگی ہے۔ اور انتہائی حیرت ناک بات یہ ہے کہ سر میں گولی کا نشان تک نہیں ہے

میں سے بھی زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ کپڑے خون سے تر ہو رہے تھے۔
 مولانا اس کو کرامت کہتے ہیں! یہاں اس موقع پر یہ کہا جائے کہ یہ ساری روایت ہی مولانا
 صاحب کی صاحب کی کرامت ہے تو شاید کچھ نہ غلط نہ ہو۔
 ہر صورت جب مؤرخین فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جہاد فرمایا تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا
 ہے۔ ضرور جہاد فرمایا ہو گا۔ مگر حریت پسندوں، آزادی کے متوالوں سے اور یہی صحیح ہے۔
 مولانا تو اسی بات کے بھی قائل ہیں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہت سے ہندوؤں نے بھی
 جہاد کیا تھا اور ثابت قدم رہے تھے۔

مگر ان علمائے کرام کے سیرت نگار حضرات جو افسانے اور کہانیاں سناتے ہیں وہ یقیناً
 کتب غیر اور محل نظر ہیں۔ اس باب میں تقریباً تمام داستان گو حضرات نے "تذکرہ الرشید
 مولانا عاشق الہی" کو ماخذ بنایا ہے۔ اور یہ تذکرہ ایسے افسانوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جس میں
 مولانا کی کیا جاسکتا (اور اس بے اعتمادی میں دوبارہ جدید کے مؤرخین بھی ہمارے ساتھ ہیں)۔
 پھر یہ کہ سیرت نگار حضرات نے اُن واقعات کو یکسر اور عمدہ نظر انداز کر دیا ہے جو انکے مقلد کی نفی کرتے
 ہیں۔ مولانا ناہر نے ایسا ہی ایک واقعہ لکھ کر بڑی چھٹی ہوئی تاویل فرمائی ہے۔ ممکن ہے
 مولانا ناہر کی اسی تاویل کو عقیدت مند لوگ ارادت کی جھونک میں قبول کر لیں مگر انہوں نے ہر
 بات اس سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

مولانا عاشق الہی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب علیہ الرحمہ
 مولانا رشید احمد صاحب مولانا محمد قاسم صاحب اور حافظ ضامن صاحب کا مقابلہ بندوق چھیوں سے ہو گیا۔

یہ خبر آزا جتھا سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانا والا نہ تھا
 اسنے اٹل پہاڑ کی طرح پیرا جما کر ڈٹ گیا اور سر کا گچھاں نشاری کیٹے تیار ہو گیا۔ اللہ
 نے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پانی اور پہاڑ سے پہاڑ کا
 نہرہ آب ہو جائے۔ وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوق چھیوں
 کے سامنے ایسے جمے ہوئے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آب پر فیرس ہوئی
 حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر نفاذ گولی کھا کر شہید ہو گئے۔
 (تذکرہ الرشید ص ۲۵۳ کے مجاہد ص ۲۵۳)

مولانا مہر کی تاویل

چونکہ مولانا عاشق الہی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ پوری جماعت برٹش گورنمنٹ کی یہی خواہ تھی اور یہ کہ

بجائے سرکاری لوگ تھے۔ اور یہ کہ انگریزوں کی طرف سے حریت پسندوں سے نفرت تھی۔ لہذا ضروری تھا کہ مولانا مہر حسب توقع اسکا دفاع کرتے۔ چنانچہ مولانا مہر تاویل فرماتے ہیں۔

عباد سرکار کے باغیوں کے الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہو یہاں "سرکار" سے مراد خود حضرت حاجی صاحب ہیں اور مقابلہ اُن لوگوں سے تھا جو انگریزوں کے مقابلہ ہو کر آئے تھے لیکن سرکار کا لفظ ایسے طریقے پر استعمال کیا گیا کہ بظاہر اس سے حکومت مراد لی جاسکتی ہے۔

"تذکرہ الرشید" ایسے زمانہ اور ایسے حالات میں مرتب ہوئی تھی جب انگریزوں کا اقتدار اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا اور نازک واقعات کی ترتیب میں مرہونِ طور اسلوب سے کام لئے بغیر چارہ نہ تھا۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ میری رائے اور میرا تاثر ہے اور میں اسے قطعی طور پر صحیح سمجھتا ہوں نہیں کہہ سکتا کہ مصنف مرحوم کے پیش نظر کیا بات تھی۔

اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد ۲۵۲ مولانا غلام رسول مہر

اس مقام پر مولانا مہر نے دکالت کا حق ادا کر دیا ہے اور لفظ "سرکار" کی بہترین تاویل ہے اسکے علاوہ اس عبارت کی بظاہر اور کوئی تاویل ممکن بھی نہیں تھی۔ مگر اس تاویل سے مولانا قطعی طور پر صحیح سمجھتے ہیں اُن غلوں اعتراضات کی دیواریں نہیں گرائی جاسکیں جو اس میں مسند سکندری بنا کر کھڑی ہیں مثلاً یہ کہ

• انگریزوں کے دور کو مولوی محمد اسماعیل صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مہمان کہا ہے اور ان سے جہاد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کہ انگریزی حکومت کو اپنی حکومت اور انگریزوں کی فتح کو اپنی فتح قرار دیا ہے۔

• اور یہ کہ ماضی میں سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے ساتھی جہاد سے پہلے اُن سے لیکر کوئی قدم اٹھایا کرتے تھے۔

تاکہ تاویلات میں ماہر ہونیکے باوجود علمائے دیوبند نے اس عبارت کی تاویل کو نیکی عہدت محسوس نہیں فرمائی۔

اور یہی بات یہ ہے کہ مولانا مہر نے عمداً "تذکرہ الرشید" کی اُن عبارتوں کو نظر انداز کر دیا ہے جو مولانا کی تاویل اور ان کے موقف کی نفی کرتی ہیں۔

اب آپ تسلسل کیساتھ "تذکرہ الرشید" اور "سولج قاضی کی اُن عبارت کو دیکھتے جائیں" مولانا مہر کی تاویل سے مطابقت نہیں کرتی۔ اور اس سے مولانا مہر اور ایوب قلابی کی کھلم کھلا کر سامنے آجاتا ہے۔

مولانا مہر کا رد کے معنی

شروع ۱۲۶۲ھ ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ) پر اپنی سرکار سے باغی ہونیکا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک ہونیکا تہمت باندھی گئی۔

تذکرہ الرشید ج اول ص ۷۲۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مقین کہ اس لفظ "سرکار" سے کون لوگ مراد لئے جاسکتے ہیں اور کن مفسدین سے ملنے کی تہمت باندھی گئی تھی۔ اور کس سرکار سے باغی ہونیکا الزام لگایا گیا تھا۔

کیا یہاں بھی سرکار سے مراد حاجی امداد اللہ صاحب ہیں۔ اور کیا یہاں مفسدوں سے مراد ان کے ساتھی بن سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہاں سرکار سے مراد برٹش گورنمنٹ ہی ہے مفسدوں سے مراد لازماً حریت پسند ہی ہیں۔ مولانا مہر کی تاویل اور انکی فراموشی کی قطعیت کی ماستر خبیوں کے باوجود نقہ و نظر کی کسوٹی پر صحیح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تذکرہ الرشید عبارات اس تاویل کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ مولوی عاشق الہی لکھتے ہیں

جن کے سردوں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رجم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا بند باندھا

آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو بادشاہ بدعتی تھا۔ حکومت ملوکیت تھی۔ اسکی زیر انتظام
میں نماز بھی درست نہیں تھی اور انکے تمام اکابرین اس سے بھی تیس سال پہلے دامن ہمالیا
چکے تھے۔ پھر وہاں خلافت راشدہ کا نمونہ بھی قائم کر لیا تھا۔ اور یہ کہ انگریزوں اور مغلوں
کے خلاف علم جہاد بلند کر نواے تھے۔ کس طرح سلطنت دہلی کے زیر انتظام جہاد فرما
لہذا یہ کہنا کہ حریت پسندوں کے طرف دار ہو کر انگریزوں سے جنگ کی سرسر غلط ہے بلکہ
اور غیر منطقی بات ہے۔ کیونکہ دہلی کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور بغیر مرکزیت کے
جہاد درست نہیں۔ اور دہلی کے علاوہ کوئی مرکزیت تھی نہیں پھر بڑھ چڑھ کر "کس طرح معتد
مالی خولیا کے مریض | اب سوانح قاسمی کا وہ حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیے جس کے
کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

اتنی بات بہر حال یقینی ہے اور ناقابل انکار چشم دید گوہروں کا کھلا ہوا اقتضا
ہے کہ مالی خولیا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں ہے کہ غدار
کے ہنگامہ کے برپا کرنے میں دوسروں کیساتھ سیدنا امام الکبیر مولانا محمد قاسم
نانوتوی اور آپ کے علمی اور دینی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے بلکہ واقعہ وہی ہے جو مصنف
نے لکھا ہے کہ مولانا فسادوں سے کوسوں دور تھے۔
(سوانح قاسمی جلد دوم ص ۱۰۹ طبع دیوبند)

اس عبارت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جو یہ کہے کہ ان علمائے کرام نے انگریزوں سے
اور تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں انھوں نے کوئی کردار ادا کیا تو وہ مالی خولیا کا مریض ہے
لانا اور انکے رفقاء تو اس جنگ سے کوسوں دور تھے۔

کچھ عرصہ پہلے ہم نے حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی کتاب زلزلہ پڑھی تھی۔ بلکہ
زلزلہ اس کے بعد واقع ہوئے "دھماکہ" کا تجزیہ بھی کیا تھا۔ کوئی بھی قادی "زلزلہ" پڑھنے کے
بمقابلہ اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسکی شائستگی اور جاذبیت سے اپنے تو اپنے دشمن بھی انکار
کر سکتے۔ مگر "زلزلہ" کے آتے ہی ان حضرات پر کچھ اس طرح زلزلہ طاری ہوا کہ الامان
فیض نتیجہ اس طبقہ کا ہر فرد دھماکوں کی نظر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور پاک و ہند میں ایک

کسی کیساتھ "زلزلہ" کی رد میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں مگر بات بنی نظر نہیں آتی جسکی وجہ سے
وہاں عروج پر ہیں۔

اسی حال ہی میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کی زیر نگرانی جناب مولوی محمد عارف صاحب
مصلحت استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی ایک کتاب بنام "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" رقم فرمائی
جس میں قال اقول کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جناب سنبھلی اپنی اس کتاب "بریلوی فتنہ کا
روپ" کے صفحہ ۱۴۵ پر رقمطراز ہیں۔

اس زمانہ "یعنی ایام تحریک آزادی" میں مسلمانوں کے اندر کسی نیاز مند سرکار کا
تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں مولانا ارشد القادری کے اوپر والوں میں ایسے لوگ
سوقت بھی پائے گئے ہوں تو ان کا اسے بعید نہ سمجھنا ٹھیک ہے۔ جناب
ارشد القادری صاحب میں کچھ ہوش، گوش ابھی باقی رہ گیا ہو تو ہم انھیں پیر داغ
شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت یاد دلائیں کہ ہر جگہ گھوڑا دوڑا کی نہیں جاتی
سے نہ ہر جاٹے مرکب تو اس تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن
وہ کہاں اس تاریخ جہاد بیکار کی باتوں میں اپنی ہنسی اڑوانے داخل ہو گئے
انکے لئے مذہبی فتنہ انگریزی اور گندم نمائی و جو فرشی کا میدان بہت ہے
(بریلوی فتنہ کا نیا روپ ص ۱۴۵)

سنبھلی صاحب فرماتے ہیں کہ اس دور میں کسی نیاز مند سرکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حالانکہ
اس دور میں اتنے بڑے بڑے اوپے اپنے لوگ نیاز مند سرکار تھے کہ جنکا آج تصور بھی
نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے سنبھلی صاحب کی تاریخ دانی پر حیرت ہے۔ سر سید احمد خان کون تھے
مس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کون تھے شمس العلماء میاں نذیر حسین کون تھے وغیرہ وغیرہ بے شمار
فان بہادر اور شمس العلماء اہم کے لوگ اگر نیاز مند سرکار نہیں تھے تو یہ خطابات کسی صلے میں عطا ہو سکتے
اس مبلغ علم پڑ سوانح قاسمی کے مطابق اگر ان محرم کو مالی خولیا کا مریض کہہ دیا
ہائے تو شاید کچھ غلط بات نہ ہوگی۔

اب انھیں کون بتائے کہ علامہ ارشد القادری کے اوپر دے دے جانے باز لوگ تھے

وہ انکے امام ربانی کی طرح تبسج دکھا دکھا کر تفتیش نہیں کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کو ان کے مجاہد نہیں کہلاتے تھے۔ اور نہ ہی جہاد کے پہلے اور جہاد کے بعد انگریزوں کی دولت مانگتے کرتے تھے۔ اور نہ ہی انگریزوں کی عملداری کو اپنی عملداری اور انگریزوں کی فوج کو اپنی فوج سمجھتے تھے۔ رہی جناب سنبھلی اور انکے رفقاء کی تاریخ دانی تو وہ بھی اس کتاب کے بعد ظاہر ہو جائے گی اور معلوم ہو جائیگا کہ انکی تاریخ دانی کا معیار کیا ہے۔

بہر صورت اس باب میں ہمارا موقوف یہ ہے کہ ان حضرات علمائے کرام نے (جس کی ہوتی ہے) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی مجاہد نہ کردار ادا نہیں کیا ہے۔ باقی یہ تو امر جاننے والے ہیں کہ یہ پیراں نمی پرند مریدان می پرانند۔

پر دیگندے کے بل بوتے پر کوئی مجاہد البکر بنجائے یا کچھ اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔ چند اختلافات کے باوجود ہم یہاں اہل حدیث اہل قلم برق التوحیدی کا ایک تجزیہ نقل کر رہے ہیں جو ان کے حقیقی خدوخال نمایاں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

جماعت دیوبند ہر بہر اپنے سر سجام کی آرزو مند ہے۔ (برق التوحیدی)

علمائے دیوبند کی ہمیشہ ایسی ہی دورخی اور منافقانہ پالیسی رہی ہے اور مستقبل کی تاریخ کے پیش نظر انہائے دیوبند نے ہمیشہ منافقانہ کردار ادا کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اگر ایک طرف تحریک ریشمی رومال کا سر امجدین چمر قند اور ٹمس سے چھین کر مولانا سندھی ایسے اشتراکیت اور نام نہاد انقلابی کے سر پر تھوپا جاتا ہے تو دوسری طرف اسی خاندان دیوبند کے چشم چراغ اور ایک حلقہ کے شیخ المشائخ کے بھائی انگریز کو فخری کرتے ہیں اور محمود الحسن کو گرفتار کر دیا جاتا ہے۔

تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف شبیر عثمانی کا نام لیکر آج پاکستان کے تصور سے تعمیر و تکمیل تک کو علمائے دیوبند کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو دوسری طرف مدنی جیسے مردود اقبال بھی تھے۔ کہ اگر پاکستان نہ بنتا تاریخ فیصلہ انکے خلاف دیتی تو پھر بھی علماء دیوبند ہی کی کلمات کا منظر ہوتا۔

دیکھئے ۱۹۵۲ء کو ایک تاریخ نے اسے سنہری الفاظ میں لکھا ہے تو محض دیکھنے والوں کی برکات کا نتیجہ ہے۔ لیکن اگر تاریخ کا اونٹ دوسری کر دت شیعہ تلامذہ الحق لکھ لکھ، شفیق، ظفر احمد انصاری و عثمانی محمد حسن اور خیر محمد جالندھری جیسے ختم نبوت والوں علمائے دیوبند کا طرہ آپکو سب سے زیادہ بلند نظر آئیگا۔

۱۹۵۲ء کی تحریک ختم نبوت کی طرف نظر دوڑائیے اگر مستقبل نے اسے سین و درخشاں تحریک قرار دیا تو کریڈٹ علمائے دیوبند کا نصیب مفروض ہوگا۔ لیکن بنوری کی بزرگی کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر وہ تحریک کوئی اور رخ اختیار کر لیتی ختم نبوت

تو پھر وہ تہمت بھڑات بھی فضلائے دیوبند ہی کو ملتا۔ کہ مولانا مٹھانوی اور ہزاروی اپنے پورے لاڈ لشکر سمیت بمبئی کی پشت پر تھے بالاختصار انکے بعد آپ پاکستان کے میدان سیاست میں اتریں جسکی گھاگھی تقریباً یوبی دور سے شروع ہوتی ہے پانچ انگوٹھ حالات کا فیصلہ ایوب کے مخالفین کے حق میں ہوتا تو آپ کو ہی اہل دیوبند

صفت اول کے مجاہدین جمہوریت پسند نظر آئیگے۔ اور اگر حالات کا رخ دوسری طرف ہوتا تو اسی دیوبند کے خلافت راشدہ کے آخری درخشندہ ستارے سر تاج علمائے دیوبند اعتشام الحق آپ کو ایوب کا استقبال کرتے اور گلے میں ہار ڈالنے کے بعد امام ضامن باندھتے (نظر آئیگے کہ یہ ایوارڈ بھی اہل دیوبند ہی کا حصہ ہوگا اور اسلئے بھی کہ حصول مفاد کی وقت تو مفتی محمود نے ایوب کو اپنا ڈوٹ فروخت کر دیا۔ لیکن جب تحریک چلی تو جمہوریت کے ہیرو بن بیٹھے اور تاج محمود جیسے لوگ دیحان کی معرفت رات ہی رات میں اہل ثروت صاحب معراج اور اڈیٹر بولاک بنا کر دربار ایوب میں مسجد ریزہ ہوتے ہیں۔

آمد وقت بمبئی کی حکومت کا ذکر چلے تو آپ دیکھینگے کہ اگر بمبئی الفت کو تاریخ نے ترجیح دی تو انہائے دیوبند ہر اول دستہ ہوں گے لیکن اگر دوسرا پہلو روشن ہوا تو یہی خیزندہ ان کے حکیم، منیلا القاسمی، تاج محمود، عبدالقادر آزاد، عبدالحق کوٹہ، عبدالباقی، عبدالحق، عبدالملک مولوی حسن شاہ ولایت دیوبند کے بے تاج بادشاہ غلام غوث چہاروی کی حکومت

باوجہ امتیاز شکل باجلالت میں بمعہ اہل و عیال چیلے چپے نظر آئینگے۔ اور اگر کوئی
سرسنیکٹ انھیں ملیگا اگر بھٹو کے خلاف اسمبلی میں کاروائی کا کسی مؤرخ سے
تذکرہ کیا تو مخالفت میں۔ یہی غلامان دیوبند کے بیت سے ایم ایم آپ کو پہنچے۔
لیکن دوسرا رخ قابل انعام و اکرام ہوا تو مستحق پھر بھی خدام دیوبند ہی ہوں گے۔
شیخ الحدیث اکوڑہ خشک فرماتے ہیں (محترم اسپیکر صاحب میرا تعلق جمعیت علماء
اسلام سے ہے ہمارے بزرگوں نے انتخاب کے موقع پر جتنی تاہد بھٹو صاحب
اور پیپلز پارٹی سے کی ہے اس سے اخبارات پر یہی قومی اسمبلی میں اسلام کا
معرکہ ص ۷۲)

یعنی اس موقع پر بھی دیوبند بزرگان کی بزرگی کے صدقے مستحق انعام ہونگے۔ مشہور
مسلمان نقاد اور توجیر پرست ادیب جناب ماہر القادری نے "نارن" میں
خوبصورت اور لطیف پیرایہ میں فرمایا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث اور ان کے
بزرگوں کی اس شدید غلطی کو اللہ تعالیٰ انکی دوسری نیکیوں کے طفیل معاف کرے
اور اگر کسی مؤرخ کے نوک قلم پر مسئلہ پی پی پی سے اتحاد اور اختلاف کا آیا خوبصورت
اول یہی دیوبند کے چشم و چراغ مفتی بھٹو سے بظاہر ہوتے نظر آئینگے اور خوبصورت
ثانی بھی ضرب اختلاف کے پہلوان بھی یہی ہوں گے۔

اور اگر اس نام نہاد عوامی حکومت سے حصول مفاد کا مسئلہ درپیش ہوا تو ایک
طرف آپکو مفتی صاحب وزارت علیا پر بھی کار سے مستغنی ملیں گے۔ لہذا مستحق تہنیت
علماء دیوبند کی یہی سادگی ہوگی کہ یہ رحمت ہے علمائے دیوبند کی دعاؤں کے
صدقے۔ لیکن دوسری طرف کسی قاسمی آپ کو روٹ پر مٹ، پلاٹ لیجنسیاں
لیتے بھی ملیں گے کہ یہ رحمت ہے علمائے دیوبند کی دعاؤں کے صدقے۔
اور اگر مستقبل میں بھٹو کی رہائی موضوع بحث بنی اور فیصلہ بھٹو کے خلاف گیا
تو بہت سے فضلاء دیوبند آپ کو حاکم کی سزا کے قائل بھی نظر آئیں گے۔
لیکن اگر فیصلہ موافق ہوا اور اگر وہ رہا ہو گئے تو بھی علماء دیوبند کی کرامات کا

تقاضہ ہوگا۔ کیونکہ انھیں کمی حقوق حاصل ہیں جو بھٹو کی رہائی کا تقاضہ کھتے ہیں
اور اگر ضیاء الحق کی مارشل لا کو تاریخ نے نظریہ ضرورت کے تحت صحیح قرار دیا تو
یہی متعدد غلامان دیوبند آپ کو ضیاء حکومت سے تعاون کرتے ملیں گے۔
لیکن اگر مارشل لا درست نہ ہوا۔ اور اسکے خلاف جہاد ضروری ہوا تو بھی سب سے
بڑے اور پہلے مجاہدین جمہوریت علمائے دیوبند ہی ہونگے کہ احترام اور ارشاد الحق
تعالویٰ نے لائحہ عمل کھائیں۔ اور گرفتاریاں پیش کریں۔

بہر حال اس مختصر سی داستان دلخراش کے پیش نظر آپ جب بھی دیکھیں اور جس
طرف بھی دیکھیں تو آپکو اس متضاد پالیسی کی کرشمہ سازیاں نظر آئیں گی۔ کہ یہ بھی علمائے
دیوبند کی برکات ہے۔ وہ بھی اولیاء دیوبند کی کرامت۔ یہ بھی علماء دیوبند کی دعاؤں
کا نتیجہ ہے۔ اور وہ بھی فضلاء دیوبند کی کوشش کا ثمرہ۔ یہ بھی علماء دیوبند کے
علم و فضل کا کرشمہ اور وہ بھی خدام دیوبند کے ہندو فن کا مظہر غرض کہ جدھر سے
تمہارے کریدر اور ایوارڈ آئے تو خاندان دیوبند کی کا نام ہوگا۔ خواہ وہ ذلت و
دعوائی کا ہو یا عزت و شرافت کا۔ گویا کہ جمع جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو یہی تو ہے
علامہ مین۔ شاید آپ سمجھیں کہ یہ تمام امور و واقعات حادثاتی یا اتفاقی ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں
بلکہ مبنی برتعمد اور ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انیسائے
دیوبند نے۔ ہر محاذ پر کس طرح محاذ آرائی شروع کر رکھی۔ مثلاً سیاست بازی جیتنے
کیلئے جمعیت علمائے اسلام۔ مرزاہیت پر فتح یاب ہونے کیلئے تحفظ ختم نبوت
حالانکہ کوئی وقت تھا کہ یہ تنظیم تمام مکاتیب فکر کا ایک متفقہ مسئلہ کا نشان
امتیاز و اتحاد تھا۔ لیکن اب دیوبند ہی نہیں بلکہ صرف تاج محمود لیسٹڈ کا درجہ ملتا
ہے۔ لیکن اس سے محمولہ نتائج بھی علمائے دیوبند کی کرامات ہی ہونگے اہل تضحیح
کے مقابلہ میں تحفظ ناموس صحابہ کی تنظیم معرض وجود میں آئی کہ اگر کسی وقت اس
سلسلے میں انعام وصول کر نیک موقع آیا تو ہمارے منہ کا پانی خشک نہ ہوگا۔ شکر کہ
دہدعت کے خلاف اڑھائی رکنی جماعت "خلافتہ التوحید والسنہ" ہے۔

سنا کہ وقت آنے پر یہ ایوارڈ بھی ہمارے حصے میں آئے۔ تبلیغ و ارشاد کیلئے تبلیغی جماعت اور مرکز چینیوٹ کا ہتھیار استعمال ہوا۔ کہ اس میدان میں بھی کوئی موقع علمائے دیوبند کے ذریعہ پڑے اسلام کو اپنے نام رجسٹری کروانے کا ضایع نہ ہو پائے اہل حدیث حضرات کے خلاف نفس و جود کو ناکافی تصور کرتے ہوئے "انہیں حزب الاخفاف بنالی کہ رضا خانوں کی ہمدردیاں حاصل کر کے اہل حدیث سے مشاجرات کا کریڈٹ بھی کوٹی اور نہ لیجانے پائے۔ اور بریلویت کے خلاف محاذ آرائی کیلئے سواد اعظم کا عظیم فراڈ رچایا۔ کہ اہل حدیث کو استعمال کر کے بوقت انعام ہم حاضری دے سکیں اور بالفرض یہ تنظیمیں حصول منزل میں ناکام رہتی ہیں تو کریڈٹ ایسے بھر بھی آپکو علمائے دیوبند ہی تمام سے آگے نظر آئے گا کہیں مرزا قادیانی کی حمایت ہے۔ تو دوسری طرف ہاتھ کی صفائی کا کرتب اور اہل تشیع سے بھی مصالحت ہو سکتی ہے کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر تعین صحابہ میں یہ کوئی کم مقام تو نہیں رکھتے۔ اسی طرح غبی مشرکین سے بھی دوستی ممکن ہے کہ مجاوران دین پور، خانقاہ کنڈیاں، تختہ بھون اسی بیماری کا تعلق ہیں۔

(ہفت روزہ افق ۲۳ اپریل تا ۲۹ اپریل ج ۲ شمارہ ۱۱ ص ۱)

یہ ہیں علمائے دیوبند کے اضطراب اور کردار بے قرار کی چند جھلکیاں جسے اہل حدیث مغلوبہ برق التوحید نے نہایت جارحانہ انداز میں لکھا ہے۔

اگر ہم یہاں بخاری و مسلم سے دو حدیث لکھ دیں تو شاید بات بہت واضح ہو جائے مثل المناقہ۔ منافق کی مثال۔

كَاشَاةِ الْعَائِمَةِ بَيْنَ الْغَائِمِينَ تَجِدُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً.

اے بکری کی طرح ہے (جو بکرے کی تلاش میں) دو یوڑوں کے درمیان پھرتی رہتی ہے (ارداء مسلم بدترین لوگ۔

يَجِدُ ذُنَّ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي نَأْتِي هُوَ لَا يُوْجِدُ (بخاری و مسلم)

(قیامت کے دن بدترین لوگ دو چہروں والے ہونگے (یعنی منافق) ایک چہرے سے ان کی اٹینگے اور دوسرے چہرے سے دوسروں کی طرف)

اس باب میں جناب شورش مرحوم نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا ہے

گاہ گنگا گاہ جمنہ پر دمنو کرنے لگے	ہم انہیں عالم سمجھتے تھے مگر جہنم ہیں
پیر و مرشد تھے کبھی انکے دل بھلے بھلی ٹیل	اب بھی انکے ذہن میں پندت جو ہر لالہ ہیں
کانڈ اعظم کی شخصیت سے نفرت آج تک	اس پر دعویٰ کہ اپنے دور کے لہال ہیں
پانی پر کچے دھرم دھاری کلچر کی گنجی کیساتھ	کیسے کیسے لوگ شورش صاحب قبال ہیں

(ہفت روزہ چٹان سلاخ لاہور)

تحریک خلافت

دور خزاں

جنگ آزادی کے دوران برصغیر کے وسیع و فراخ سینے پر جو ہولناک اور لمبزہ خیز خونی کھیل کھیلا گیا۔ اسکا ذکر اتنا لزرہ خیز ہے کہ دل اور فہم دونوں ٹھٹھکتے ہیں۔ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی بے گورد کفن لاشیں مدتوں غلام و ستم کی دردناک داستانیں سناتی ہیں۔ جلے ہوئے منہدم مکانات سے اٹھنے والے دعوئیں اہلوں کیساتھ نہ جانے کن بلند یوں میں کھو جاتے تھے۔ اور ایک طویل مدت گزر گئی کسی لہل ذکر انقلاب نے کروٹ نہیں لی

گویا پوری قوم تہہ تیہ اور مایوسیوں کی امتحا تاریکیوں میں گم ہو گئی تھی۔ یا بھڑکات کے بکراں سمندر نے قوم کے جیالوں کو نگل لیا تھا۔ قائدین یا تو شہادت کی سعادت حاصل کر چکے تھے یا کاسے پانی کے جہنم کدہ میں صبر و استقامت کیساتھ معوتوں کے دن گذار رہے تھے۔ اور جو باقی بچے تھے مغرور عافیت کی تلاش میں تھے۔

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے عزت کے بجائے ذلت کو قبول کر لیا تھا انہیں آزادی سے زیادہ غلامی پرکشش نظر آرہی تھی۔ دنیاوی و جاہلیت کی جاہلیت میں عزت کی سعادت بھول گئے تھے۔ خطابات و نوازشات کی چکا چونڈ نے عزت ملی کو

پامالی کر دیا تھا۔ بہر صورت گورے حکمرانوں اور ان کے کالے غلاموں کے لگائے ہوئے
بیحد کاری تھے۔ سسکیوں اور ہچکیوں کے ختم ہونے میں ایک مدت گزر گئی۔

کچھ انجمنیں کچھ کمیٹیاں

اس دوران میں کئی انجمنیں اور کمیٹیاں درالسیوی ایشین
(۱) برہموسماج بنگال میں (۲) پراعتھنا سماج بہار
(۳) آریہ سماج پنجاب میں (۴) تھیا صوفیکل سوسائٹی مدراس میں
اسی طرح سکسٹھ میں اور اسکے قریب میں۔ مہاجن سمبھا مدراس میں۔ سبھا پورہ میں۔ انڈین الیوسی ایشن بنگال میں۔ بمبئی الیوسی ایشن بمبئی میں۔
اور پھر ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا یونین بنی۔ اور اس کے سال بعد ہی ۱۸۸۶ء میں آل
کانگریس بن گئی۔ جسے ایک انگریز مسٹر ہیوم نے قائم کیا۔ اسی طرح ۱۸۹۳ء میں کانگریس
ملک نے ایک انجمن مخالفت ذیجہ کاؤ آرڈیننس الیوسی ایشن بنایا۔ اور اسی سال
۱۸۹۳ء میں جسٹس محمود نے ڈیفنس الیوسی ایشن قائم کیا۔ اور پھر اسی گنا
۱۸۹۵ء میں سیواجی فیشیول قائم کیا۔ مگر ان میں ایک آدھ کے علاوہ تمام انجمنوں
درالسیوی ایشنوں کے قائم کرنے والے کٹر ہندو تھے۔ اور ان میں سے اکثر ضابطہ مسلمانوں
کے خلاف صفت آرا تھے۔ ان ہندو انجمنوں نے مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ حالانکہ
ناموافقت نے انہیں پامالی کر دیا۔ انہیں اتنے رخم آئے تھے کہ انکا شمار ممکن نہیں
تھا۔ تنہا داغ داغ شدید پتہ کجا کجا نہم
اور پھر انہیں زخموں کے دیکھتے گنتے پوری اُنیسویں صدی ختم ہو گئی۔ بالآخر بیسویں صدی
تغلاب آفریں دور شروع ہو گیا۔

مسلک لیگ کا قیام

اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ ہوتا ہے جادہ پیمائش کا راز ہوتا ہے
۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ نواب سلیم اللہ خان۔ نواب وقار
اور مولانا محمد علی کی کوششوں سے مسلم لیگ قائم ہوئی مگر اُسے بھی ملک گیر حیثیت
کرنے میں ساہا سال لگ گئے۔ اور پھر انہیں ایم میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ پورے
سر میں تحریکات کا ایک عظیم طوفان برپا ہو گیا۔ مجاہدین نے ایک نئی کردار کی حریت پسند

کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ دہلی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں اور جذبہ جنوں آگے بڑھنے کو
پہلے کیا۔

ایک خلافت اور چند دوسری تحریکیں

ان میں ”تحریک خلافت“، ”تحریک ترک
موالات“، ”تحریک ہجرت اور تحریک ترک
کافہ“، ”ہندو مسلم اتحاد“ یعنی متحدہ قومیت کا نعرہ مستانہ۔ اور بہت سی چھوٹی بڑی تحریکوں نے جنم
اور پھر خیر کے وسیع و عریض سینے پر امنٹ نقوش چھوڑ گئیں۔

پھر کچھ کتاب کے موضوع کے اعتبار سے صرف انہیں تحریکات کا جائزہ لے سکتے ہیں
مگر ایک کہلاتی ہوں اور جن میں علما و محقق اور علما و اہلسنت پر اعتراضات وارد کئے گئے
لہذا پہلے تحریک خلافت!

تحریک خلافت کے بارے میں ابتدا ہی سے ہمارا نقطہ نظر بالکل واضح اور غیر مبہم رہا ہے
اس باب میں جو بات بے غماز شواہد کو سامنے رکھ کر قطعیت کیا جا سکتی ہے وہ یہ
ہے کہ نفس تحریک خلافت سے امام احمد رضا اور ان کے رفقاء کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا۔
اور اس تحریک خلافت کے طریقہ کار اور اس مذہبی، ملی، دینی اور اصلاحی مسئلہ میں ہندوؤں
کا نفرت و استعانت اور گاندھی جیسے اسلام دشمن کی قیادت و سیادت سے سخت اختلاف
ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں امام احمد رضا کی مخالفت کی گئی اور انہیں نہ صرف یہ کہ
تحریک خلافت کا دشمن قرار دیا گیا بلکہ انگریز دوستی کا الزام بھی چسپاں کیا گیا۔ (جسے کبھی ثابت
کرنے کی کوشش نہیں کی گئی)۔

مگر ابھی بہت دن نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق وہی تھا
امام احمد رضا اور ان کے رفقاء نے فرمایا تھا۔ جوش و جذبات کے دھارے جیسے ہی تھمتے
تھائی و صداقت کا پرچم لہرا تھا۔ اور ہندوؤں سے مؤدت و رفاقت اور مشرکوں سے موافقت اور
استعانت کی قلمی کسل گئی اور جھوٹی اخوت کی سیاہ نقاب تار تار ہو گئی۔ ملمع اُترتے ہی اندر کا بھیانک
ہندو ظاہر ہو گیا۔

اور حد یہ ہے کہ یہ تحریک خلافت جنکے لئے چلائی گئی تھی اور جنکے لئے بے پناہ قربانیاں

گی تھیں۔ اور جنگ استقلال کیلئے سینے چلانی کر دائے گئے تھے، اور جن کی بقا کیلئے انہوں نے اپنے بچوں کو۔ بہنوں نے اپنے بھائیوں کو، بیویوں نے اپنے شوہروں کو قربان کر دیا تھا۔ کاجام کچھ اچھا نہیں ہوا۔

مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھیوں نے برسرِ اقتدار آتے ہی صرف خلافت ہی کے لئے بے شمار شعائر اسلام کو بھی پامال کر دیا اور سیکولر (لادینی) حکومت کا اعلان کر دیا جس میں تالے پڑ گئے۔ اذانیں بند ہو گئیں۔ اہلِ بارہ خواتین کی نقابیں نوح کر نذر آتش کر دی گئیں۔ ۵ جولائی ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں خلافت کیٹی کا عمل میں آیا اور ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کا نفرنس منعقد ہوئی۔

پر و نسیر احمد سعید لکھتے ہیں کہ

جنگ عظیم اول کے بعد ترکی کیساتھ انگریزوں نے جو سلوک کیا۔ اس کے پیش نظر مسلمانوں کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہ گیا تھا۔ کہ وہ ایک ملک گیر تحریک کا آغاز کریں۔ ادرہ پنجاب میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد میں مدد ملی ہندو اور مسلمان دونوں انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر کوئی قدم اٹھانیکا فیصلہ کیا چنانچہ ہندوستانی مسلمانوں نے مجلس خلافت کے نام سے ایک جماعت کی دہلی میں ۱۹۱۹ء کو مولوی فضل حق کے زیرِ صدارت ایک عظیم الشان خلافت کانفرنس منعقد ہوئی مولوی فضل حق نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات پر زور دیا کہ خلافت کے مسئلے میں غیر مسلموں کی مدد حاصل کی جائے خلافت کانفرنس کے اختتام پر مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

۱۔ ایران اور ترکی کے مقدس مقامات میں جو ذیلیتیاں کی گئی ہیں ان پر اظہارِ رنج کیلئے مسلمانانِ ہند جن صلح میں شریک نہ ہوں۔ اور اسکے خلاف جسے منعقد کریں

۲۔ مسلمان حکومت سے ترک موالات کریں

۳۔ اگر حسبِ منشا ترکی کا فیصلہ نہ ہوا تو پھر ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے

گاندھی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور یہ اعلان کیا کہ خلافت کے مسئلہ پر وہ

مسلمانوں کا ساتھ دیا گا۔ گاندھی کی رائے میں ہندو مسلم اتحاد کا اس سے بہتر موقع سو سال میں ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

(حصولِ پاکستان ۱۳۵۰ پر و نسیر احمد سعید)

اس عنوان کے تحت جنابِ میس احمد جعفری لکھتے ہیں

تحریک خلافت اور اس کا ردِ عمل

تحریک خلافت ایک ہوناک اور لرزہ خیز طوفان کی طرح ہندوستان کے سیاسی مطلق پر نمودار ہوئی تھی مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ سرے کفن باندھ کر میدانِ جہاد میں اتر چکے تھے۔ جیل جانا ایک کھیل بن گیا تھا۔ سینے پر گولیوں کا ٹھکانا زور و ترقی کا واقعہ تھا۔ اس طوفان کا رخ جس نے موزنا چاہا اس کی پگڑی سلامت نہ رہ سکی۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کی موت و زیست کا مسئلہ بن گیا تھا انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جو ان کے ساتھ ہے ان کا دوست ہے اور جو ان کے ساتھ نہیں ہے وہ دشمن کے سوا کچھ نہیں ہے جسے انہوں نے اپنا مخالف سمجھا (غلط یا صحیح اس کی بحث نہیں) اس کا سیاسی وجود ختم کر دیا گیا۔ محمد علی جناح کو انہوں نے گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ ۱۰۰۰۰۰ کا برہمن اور مسلمانوں کا برہمنوں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے جھٹ جانا پڑا۔ تحریک خلافت کے مخالف مسلمانوں کی لاشیں تک پڑی رہتی تھیں لیکن قبرستان میں دفن نہیں ہو پاتی تھیں۔ انکی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ مخالفین کا سماجی مقاطعہ کیا جاتا تھا۔ اور انہیں مسلم حملوں میں رہنا دھمکا دیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر کچلو نے ہندوؤں کے ٹنٹنکھٹن کے مقابلے میں مجلسِ تنظیم قائم کی اور مسلمانوں کی نظر سے اتر گئے۔ خواجہ حسن نظامی نے گاندھی کے مقابلے میں تبلیغ کا نعرہ بلند کیا لیکن مسلمانوں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس سے تحریک خلافت کے کمزور ہونیکا اندیشہ تھا، ہندو اتحاد میں غلط پڑنے کا اندیشہ تھا۔ کانگریس کی مرکزیت ختم ہونیکا دھمکا تھا